مقامِ صحابہ رضی اللہ عنہم

ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

ادارۃ العلوم الاثریہ
فیصل آباد

مقامِ صحابہ رضی اللہ عنہم
ارشاد الحق اثری
ادارۃ العلوم الاثریہ
فیصل آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم
اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے

نام کتاب: مقام صحابہ

مولف: ارشاد الحق اثری

ناشر: ادارۃ العلوم الاثریہ، منٹگمری بازار فیصل آباد۔

فون: 041-2642724

تعداد: 1000

تاریخ طباعت: مارچ 2011ء

مطبع: انٹرنیشنل دار السلام پرنٹنگ پریس، لاہور

فون: 042-7232400

ملنے کا پتہ

(1) ادارۃ العلوم الاثریہ، منٹگمری بازار فیصل آباد۔ فون: 041-2642724

(2) مکتبہ اسلامیہ: غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

(B) کوتوالی روڈ فیصل آباد۔ فون: 041-2631204

فہرست

کلمۃ الناشر

ہر سچا مسلمان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ دل و زبان سے محبت کرتا ہے اور ان کی تعظیم و تکریم جزوِ ایمان سمجھتا ہے، اس لیے کہ یہی وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جنھیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چاہتوں سے نوازا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے ایمان کی پختگی اور ان کے عمل و اخلاص کی گواہی دی ہے۔ تاریخ و سیر کی کتابوں سے قطع نظر اگر صرف قرآنِ مجید فرقانِ حمید سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بے مثال عمل و کردار اور ان کی سیرتِ مقدسہ کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے تو فرمایا ہے: کہ مکمل سورۃ اللیل حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے مناقب میں نازل ہوئی ہے اور اس پر انھوں نے ایک مستقل رسالہ «اَلْحَبْلُ الْوَثِیْقُ فِیْ نُصْرَۃِ الصِّدِّیْقِ» کے نام سے لکھا ہے۔

جس طرح قرآنِ مجید کی تفسیر و تعبیر سیدِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی بالکل اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کی تعبیر و تکمیل اور بقا حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل و کردار کے بغیر ممکن نہیں، آخر وہ کون سا موقع و محل ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم وہاں نہیں ہیں؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے وارث، آپ کے سفیر اور آپ کے مبلغ ہیں، سارا دین ان ہی کے توسط سے امت کے پاس پہنچا اور وہ پوری امت کے محسن ہیں اور سچے امتی کی آنکھیں ان کا نام سنتے ہی ان کے

ادب و احترام میں جھک جاتی ہیں۔

ان ہی نفوسِ قدسیہ کے مقام و مرتبہ کو اجاگر کرنے اور ان سے اپنی عقیدت و محبت کے اظہار میں ہم ''مقامِ صحابہ رضی اللہ عنہم'' قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں، ہم نے اس حوالے سے بعض ضروری اور اصولی مباحث اور ان کے بعض فضائل و مناقب ذکر کرنے پر اکتفاء کی ہے، ورنہ ان کے فضائل کا باب وسیع الذیل ہے اور اس عجالہ میں ہمارا یہ موضوع بھی نہیں ہے، اسی ضمن میں ہم نے بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو تنقید کا نشانہ بنانے والوں کے فکر کی کجی اور زیغ کو بھی تشت ازبام کرنے کی کوشش کی ہے بلکہ علامہ ابن الوزیر الیمانی رحمہ اللہ نے اپنی تمام تر عظمتوں کے باوجود اس مسئلہ میں سلفِ امت سے علیحدگی اختیار کر کے جو بعض صحابہ کی عدالت کو ہدفِ تنقید بنایا ہے اس کی بھی ہم نے نقاب کشائی کی ہے اور ان کی بے اعتدالیوں کو اجاگر کیا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام و مرتبہ کے دفاع میں ہماری اس حقیر سی کوشش کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور آخرت میں ان ہی کی رفاقت میں سیدِ کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم نشینی و ہمسائیگی کی سعادت عطاء فرمائے۔ آمین

عرصہ ہوا ادارۃُ العلومِ الاثریہ کی جانب سے پہلے ''عدالتِ صحابہ'' لکھی گئی اس کے بعد ''مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف کا موقف'' کے عنوان سے ایک کتابچہ شائع ہوا تھا اب یہ ''مقامِ صحابہ'' اسی سلسلہ کی تیسری کڑی ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ .

انتہائی ناسپاسی ہوگی اگر میں اپنے رفقاء کرام کا ذکر نہ کروں جن کی ہمیشہ معاونت میرے شاملِ حال رہی ۔ بالخصوص مولانا عبدالحی انصاری، مولانا طارق محمود ثاقب، مولانا محمد خبیب احمد حفظہ اللہ کا شکر گزار ہوں جنھوں نے اس میں اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا اور اس کے پروف پڑھنے کی ذمہ داری کو بھی خوب نبھایا۔ جَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ .

اسی طرح میں اپنے محسنین کا بھی شکر گزار ہوں جو ہمیشہ ادارہ کے ساتھ تعاون کرتے

ہیں، خصوصاً اخی المکرّم جناب خالد شاہ محمد علوی صاحب مدیر المعهد الشرعی جوہر آباد کا، جنھوں نے بالخصوص ''مقامِ صحابہ رضی اللہ عنہم'' کی طباعت میں تعاون فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام کی مساعیِ حسنہ کو قبول فرمائے اور انھیں ہمیشہ اپنی مرضیات سے نوازتا رہے۔ آمِیْنَ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ.

خادم العلم والعلماء
ارشاد الحق اثری
25. شعبان 1431ھ
7- اگست 2010ء

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰی يَوْمِ الدِّيْنِ»

أَمَّا بَعْدُ:

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم وہ نفوسِ قدسیہ ہیں کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد کوئی بھی ان کے مقام و مرتبہ میں ان کا سہیم وشریک نہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انھیں خیر اُمۃ قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾

"تم سب سے بہتر امت ہو جنھیں لوگوں (کی ہدایت) کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔"[1]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بن حیدہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنْتُمْ تَتِمُّوْنَ سَبْعِيْنَ أُمَّةً، أَنْتُمْ خَيْرُهَا وَأَكْرَمُهَا عَلَى اللّٰهِ»

"تم پورا کرتے ہو ستر امتوں کو، یعنی تم سترویں امت ہو، تم ان میں بہترین ہو اور ان سب سے مکرم ومحترم ہو اللہ کے نزدیک۔"[2]

یہ روایت ترمذی کے علاوہ ابنِ ماجہ، مسندِ احمد، دارمی، طبرانی اور مستدرک حاکم میں بھی ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن، امام حاکم رحمہ اللہ نے صحیح اور حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ[3] نے

---

[1] آل عمران 110. [2] جامع الترمذي: 4/83. [3] فتح الباري: 8/225.

حسن صحیح کہا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أُعْطِيْتُ مَالَمْ يُعْطَ أَحَدٌ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَاهُوَ؟ قَالَ: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ الْأَرْضِ، وَسُمِّيْتُ أَحْمَدَ، وَجُعِلَ التُّرَابُ لِيْ طُهُوْراً، وَجُعِلَتْ أُمَّتِيْ خَيْرَ الْأُمَمِ»

''مجھے ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو انبیائے کرام علیہم السلام میں سے کسی کو نہیں دی گئیں، ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ چیزیں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: میری مدد رعب سے کی گئی ہے، مجھے زمین کی چابیاں دی گئی ہیں، میرا نام احمد رکھا گیا ہے، مٹی میرے لیے طہارت کا باعث بنائی گئی اور میری امت تمام امتوں سے بہتر قرار دی گئی ہے۔''[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ[2] اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ[3] نے اس روایت کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

قرآنِ مجید اور ان احادیث کا ظاہری مصداق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری امت ہے مگر اس کا اولین مصداق صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں بلکہ بعض صحابہ اور تابعین نے بھی ''خیرِ امت'' سے مراد صحابۂ کرام مراد لیے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«خَيْرُ أُمَّتِيْ قَرْنِيْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ» اَلْحَدِيْث

''کہ میری امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جو میرے زمانے میں ہیں، پھر وہ جو ان کے بعد ہیں، پھر وہ جو اُن کے بعد ہیں۔''[4]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: «يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (ﷺ)! أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ» ''اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! کون سے لوگ بہتر

---

(1) مسند أحمد: 98/1. (2) تفسیر ابن کثیر: 520/1. (3) فتح الباری: 225/8. (4) صحیح البخاري: 3650.

ہیں؟'' آپ نے فرمایا: «اَلْقَرْنُ الَّذِیْ أَنَا فِیْهِ» ''اس زمانے کے لوگ بہتر ہیں جس میں میں ہوں۔''[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَكْرِمُوْا أَصْحَابِیْ فَإِنَّهُمْ خِيَارُكُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ»

''میرے صحابہ کی تکریم کرو کیونکہ وہ تم میں سے بہترین ہیں، پھر وہ جو ان کے بعد ہیں، پھر وہ جو ان کے بعد ہیں۔''[2]

بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«إِنَّ اللّٰهَ نَظَرَ فِیْ قُلُوْبِ الْعِبَادِ فَوَجَدَ قَلْبَ مُحَمَّدٍ ﷺ خَيْرَ قُلُوْبِ الْعِبَادِ، فَاصْطَفَاهُ لِنَفْسِهٖ فَابْتَعَثَهٗ بِرِسَالَتِهٖ، ثُمَّ نَظَرَ فِیْ قُلُوْبِ الْعِبَادِ بَعْدَ قَلْبِ مُحَمَّدٍ ﷺ فَوَجَدَ قَلْبَ أَصْحَابِهٖ خَيْرَ قُلُوْبِ الْعِبَادِ فَجَعَلَهُمْ وُزَرَاءَ نَبِيِّهٖ۔ الخ»

''اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو تمام بندوں کے دلوں سے بہترین دل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پایا تو اسے اللہ نے اپنے لیے چن لیا اور اسے اپنی رسالت کے ساتھ مبعوث کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو منتخب کرنے کے بعد بندوں کے دلوں کو دیکھا تو ان کے صحابہ کا دل تمام بندوں کے دلوں سے بہترین پایا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے نبی کا وزیر بنا دیا۔''[3]

امام ابو بکر الآجری رحمہ اللہ نے بسندِ حسن امام حسن بصری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

---

[1] صحیح مسلم: 2536. [2] النسائی السنن الکبری: 285/8. [3] الطیالسی، ص: 23، مسند أحمد: 379/1، شرح السنة: 214/1، الشریعة: 1675/4.

«أُولٰئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ كَانُوْا أَبَرَّ هٰذِهِ الْأُمَّةِ قُلُوْباً وَأَعْمَقَهَا عِلْماً وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفاً، قَوْمٌ اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ، وَإِقَامَةِ دِيْنِهٖ، فَتَشَبَّهُوْا بِأَخْلَاقِهِمْ وَطَرَائِقِهِمْ فَإِنَّهُمْ كَانُوْا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيْمِ»

”وہ محمد ﷺ کے اصحاب تھے وہ اس امت کے سب سے زیادہ نیک دل، سب سے زیادہ گہرا علم رکھنے والے اور سب سے کم تکلف کرنے والے تھے، وہ ایسے لوگ تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو سرفراز کرنے اور اپنے نبی کی صحبت کے لیے منتخب کیا، ان کے اخلاق و اطوار کو اختیار کرو، ربِ کعبہ کی قسم وہ صراطِ مستقیم پر تھے۔“[1]

حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بالکل یہی رائے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے جسے امام ابونعیم رحمہ اللہ [2] نے نقل کیا ہے اور علامہ ابنِ عبدالبر رحمہ اللہ نے یہی رائے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کی ہے۔[3]

بلکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى﴾

”آپ کہہ دیں کہ تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے اور اس کے منتخب بندوں پر سلام ہے۔“[4]

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے یہ منتخب بندے تمام انبیائے کرام علیہم السلام ہیں، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما، امام سفیان ثوری رحمہ اللہ اور السدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

[1] كتاب الشريعة: 1686/4. [2] حلية الاولياء: 305/1. [3] جامع بيانِ العلم: 97/2 نیز دیکھیے شرح السنة للبغوى: 214/1. [4] النمل 59.

ہیں۔[1] اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ قرآن پاک ہی میں ہے۔

﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا﴾

''ہم نے اس کتاب (قرآنِ مجید) کے وارث اپنے وہ بندے بنائے جنھیں ہم نے چن لیا۔''[2]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سب سے پہلے وارث ہیں اور وہی اول وہلہ میں اللہ تعالیٰ کے منتخب بندے ہیں جنھیں اپنے نبی کی مصاحبت اور اپنی کتاب کی حفاظت ووراثت کے لیے پسند فرمایا ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ شرف وفضل ایسا ہے جسے نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اور نہ ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نقباء پا سکے ۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

①

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت ایمان کی علامت ہے

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تعظیم وتکریم ایسا مسئلہ نہیں کہ اس سے بے اعتنائی برتی جائے اور اسے معمولی سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے بلکہ یہ مسلمانوں کے ایمان کا مسئلہ ہے اور اصولِ دین کا ایک اہم اصول ہے، چنانچہ جن ائمۂ سلف نے عقیدہ واصول پر مستقل کتابیں لکھی ہیں انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تعظیم وتکریم، ان کی صداقت وعدالت کو دین کا اصل الاصول قرار دیا ہے، چنانچہ امام عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی کِتَابُ السُّنَّة، امام ابوبکر احمد بن محمد الخلال رحمہ اللہ کی اَلسُّنَّة، امام ابو بکر محمد بن الحسین الآجری رحمہ اللہ کی کِتَابُ الشَّرِیْعَة امام محمد بن اسحاق بن مندہ رحمہ اللہ کی اَلاِیْمَان، امام ابنِ ابی عاصم رحمہ اللہ کی السُّنَّة، امام ابو القاسم

① مسند ابی القاسم الجوھری، ص: 82، ابن کثیر: 490/3، الدرالمنثور: 113/5. ② فاطر 32.

اللالکائی رحمہ اللہ کی شَرْحُ أُصُوْلِ اِعْتِقَادِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَة، امام طحاوی رحمہ اللہ کی اَلْعَقِيْدَةُ الطَّحَاوِيَّة امام ابو محمد الحسن بن علی البربھاری رحمہ اللہ کی شَرْحُ السُّنَّة، امام ابنِ بطہ رحمہ اللہ کی کِتَابُ الشَّرْحِ وَالإِبَانَةِ، شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کی اَلْعَقِيْدَةُ الْوَاسِطِيَّة، امام ابو عثمان اسماعیل بن عبد الرحمٰن الصابونی رحمہ اللہ کی عَقِيْدَةُ السَّلَفِ وَاَصْحَابِ الْحَدِيْثِ، علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کی اَلْمُسَامَرَةُ بِشَرْحِ الْمُسَايَرَة، امام ابن قدامہ رحمہ اللہ کی لَمْعَةُ الْاِعْتِقَادِ الْهَادِيْ إِلٰى سَبِيْلِ الرَّشَاد، امام ابو الحسن علی بن اسماعیل الاشعری رحمہ اللہ کی اَلْإِبَانَةُ عَنْ أُصُوْلِ الدِّيَانَةِ، علامہ محمد بن احمد السفارینی رحمہ اللہ کی شَرْحُ الفِقهِ الْاَكْبَرَ، علامہ تفتازانی رحمہ اللہ کی شَرْحُ الْعَقَائِد اور حضرت نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ کی قَطْفُ الثَّمَرِ فِيْ بَيَانِ عَقِيْدَةِ أَهْلِ الْأَثَرِ میں اس مسلّمہ اصول کو دیکھا جا سکتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اَلْجَامِعُ الصَّحِيْحُ میں كِتَابُ الْإِيْمَانِ کے تحت باب قائم کیا ہے عَلَامَةُ الْإِيمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ کہ انصار صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت ایمان کی علامت ہے۔ جس کے تحت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«آيَةُ الْإِيمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ، وَآيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ»

''ایمان کی علامت انصار رضی اللہ عنہم سے محبت کرنا ہے اور نفاق کی علامت انصار رضی اللہ عنہم سے بغض رکھنا ہے۔''[1]

انصار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت ایمان کی علامت اس بنا پر ہے کہ انھوں نے بڑے مشکل وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی، اپنی جان پر کھیل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ میں لائے، سارا عرب ان کا بھی دشمن بن گیا، منافقین مدینہ ان سے اسی بنا پر بغض رکھتے تھے، ان سے محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ داری کی بنیاد پر نہیں بلکہ خادمِ اسلام ہونے کے ناطے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری اور وفا شعاری کے نتیجہ میں ہے۔

[1] صحيح البخاري: 17.

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أَحَبَّ الْأَنْصَارَ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ»

''جو انصار سے محبت کرتا ہے وہ میرے ساتھ محبت کے باعث ان سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے۔''[1]

یہ روایت طبرانی میں ثقہ راویوں سے مروی ہے۔

اسی مفہوم کی حدیث حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری میں اور ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں بھی موجود ہے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ حکم تمام اعیان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بلکہ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی ہے کہ ان سے محبت ایمان کی اور ان سے بغض نفاق کی علامت ہے۔[2] اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بارے میں فرمایا:

«لَا يُحِبُّنِي إِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يُبْغِضُنِي إِلَّا مُنَافِقٌ»

''مجھ سے وہی محبت کرے گا جو مومن ہوگا اور وہی بغض رکھے گا جو منافق ہوگا۔''[3]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی تمام قریبی رشتہ داروں کے علی الرغم صغر سنی کے باوصف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا، بایں طور ان سے محبت بھی ایمان کی علامت قرار دی گئی۔ دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کے اعتبار سے ہے اور ان سے بغض وعداوت بھی دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض کا نتیجہ ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مغفل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ»

---

[1] المجمع: 39/10، عبدالرزاق: 59/11. [2] عمدة القاري: 152/1 [3] مسلم: 240.

''کہ جو صحابہ سے محبت کرتا ہے وہ میرے ساتھ محبت کی بنا پر ان سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے۔''

یہ روایت امام ترمذی رحمہ اللہ [1] اور امام احمد رحمہ اللہ [2] نے نقل کی ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن غریب کہا ہے مگر اس میں عبد الرحمٰن بن زیاد راوی کے بارے میں امام ابن معین رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ میں اسے نہیں جانتا، جبکہ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے الثقات میں اسے ذکر کیا ہے۔ [3] اور اپنی الصحیح [4] میں یہ روایت بیان کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ وہ ''مقبول'' ہے۔ [5] اس لیے یہ روایت متروک کے درجہ کی نہیں، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کی دیگر روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کے ایمان کی بڑی کوشش کی مگر وہ اسلام نہ لائیں تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر والدہ کے ایمان کے لیے دعا کی التجا کی ، آپ نے دعا کر دی تو اسے دولتِ ایمان حاصل ہوگئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خوشی خوشی اس کی بشارت لے کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور والدہ کے ایمان کی بشارت دی اور مزید عرض کیا:

«يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اُدْعُ اللّٰهَ أَنْ يُحَبِّبَنِيْ اَنَا وَاُمِّيْ إِلٰى عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَيُحَبِّبَهُمْ إِلَيْنَا، قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ عُبَيْدَكَ هٰذَا ـ يعنى أَبَا هُرَيْرَةَ ـ وَأُمَّهُ إِلٰى عِبَادِكَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَحَبِّبْ اِلَيْهِمُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ فَمَا خُلِقَ مُؤْمِنٌ يَسْمَعُ بِيْ وَلَا يَرَانِيْ اِلَّا أَحَبَّنِيْ»

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری اور میری

[1] الجامع: 3/360. [2] مسند أحمد: 4/87. [3] تهذيب: 6/176. [4] صحيح ابن حبان: 9/189.
[5] تقريب، ص: 202.

والدہ کی محبت اپنے مومن بندوں کے دلوں میں پیدا کر دے اور مومنوں کی محبت ہمارے دلوں میں ڈال دے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی اور فرمایا: ''اے اللہ! اپنے اس بندے، یعنی ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ اور اس کی والدہ کی محبت اپنے مومن بندوں کے دلوں میں ڈال دے اور ان کے دلوں میں مومنوں کی محبت ڈال دے۔'' (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ)، پھر ایسا ہوا کہ کوئی مسلمان پیدا نہیں ہوا جو میرا ذکر سن کر یا مجھے دیکھ کر مجھ سے محبت نہ کرے۔''[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمیں آپ کے اس ارشاد پر اتنی خوشی ہوئی کہ اتنی خوشی کسی اور بات سے نہیں کہ «اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ» ''تم اس کے ساتھ ہوگے جس سے تم محبت کرتے ہو۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«فَاَنَا أُحِبُّ النَّبِيَّ ﷺ وَاَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ، وَاَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ مَعَهُمْ بِحُبِّيْ إِيَّاهُمْ، وَإِنْ لَمْ اَعْمَلْ بِمِثْلِ أَعْمَالِهِمْ»

''پس میں نبی کریم ﷺ سے، ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما سے محبت کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ ان سے محبت کی بنا پر ان کے ساتھ ہوں گا اگرچہ میں ان کے اعمال جیسے عمل نہیں کر سکا۔''[2]

لہٰذا رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت ایمان کی علامت اور آخرت میں ان کی مرافقت ومصاحبت کا باعث ہے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ سے بغض کفر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض وعناد منافقت کی علامت ہے۔

مشہور تابعی امام مسروق فرماتے ہیں: «حُبُّ أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَمَعْرِفَةُ فَضْلِهِمَا مِنَ السُّنَّةِ»[3] کہ ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما سے محبت اور ان کی فضیلت کی معرفت سنت ہے۔ بلکہ المعرفۃ

---

[1] صحيح مسلم: 6396. [2] صحيح البخاري: 3688، مسلم. [3] العلل ومعرفة الرجال امام أحمد: 453،452/1.

للفسوی میں ہے کہ خالد بن سلمہ نے امام مسروق کا یہی قول ابنِ شبرمہ سے طواف کے دوران ذکر کیا مگر جب امام حسن بصری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: «حُبُّ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ سُنَّةٌ؟» کہ ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما سے محبت سنت ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: «لَا، فَرِيْضَةٌ» ''نہیں بلکہ فرض ہے۔''[1] امام ابنِ حزم رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت فرض ہے۔ حُبُّهُمْ فَرْضٌ[2]

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «كَانَ صَالِحُ السَّلَفِ يُعَلِّمُوْنَ اَوْلَادَ هُمْ حُبَّ أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ كَمَا يُعَلِّمُوْنَ السُّوْرَةَ أَوِالسُّنَّةَ» ''سلف صالحین اپنی اولاد کو حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے محبت اس طرح سکھاتے تھے جیسے قرآن پاک کی سورت یا سنت سکھاتے تھے۔''[3] علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«وَمِنْ تَوْقِيْرِهٖ وَبِرِّهٖ ﷺ تَوْقِيْرُ أَصْحَابِهٖ وَبِرُّهُمْ وَمَعْرِفَةُ حَقِّهِمْ وَالْاِقْتِدَاءُ بِهِمْ وَحُسْنُ الثَّنَاءِ عَلَيْهِمْ وَالْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ۔ الخ»

''رسول اللہ ﷺ کی تعظیم وتوقیر اور آپ سے حسن سلوک کا تقاضا ہے کہ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھی توقیر کی جائے اور ان سے حسنِ سلوک کا اظہار کیا جائے، ان کے حق کو سمجھا جائے، ان کی اقتداء کی جائے اور ان کی تعریف کی جائے اور ان کے لیے بخشش کی دعا کی جائے۔''[4]

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس کے بعد اسی حوالے سے چند احادیث مبارکہ کا ذکر کرتے ہوئے، امام ایوب السختیانی رحمہ اللہ جو بصرہ کے کبار فقہاء وعباد میں شمار ہوتے ہیں اور حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے انھیں ثِقَةٌ ثَبْتٌ حُجَّةٌ کہا ہے، کا قول ذکر کیا ہے کہ

«وَمَنْ أَحْسَنَ الثَّنَاءَ عَلٰى أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ فَقَدْ بَرِئَ مِنَ النِّفَاقِ وَمَنِ انْتَقَصَ أَحَداً مِّنْهُمْ فَهُوَ مُبْتَدِعٌ مُخَالِفٌ لِّلسُّنَّةِ وَالسَّلَفِ

---

[1] كتاب الرقائق والحكايات، ص: 171 لخيثمة بن سليمان . [2] الجمهرة، ص: 3. [3] مسند الامام ابی القاسم الجوهری، ص: 110. [4] الشفا: 41/2.

الصَّالِحِ وَأَخَافُ أَنْ لَّا يَصْعَدَ لَهُ عَمَلٌ إِلَى السَّمَاءِ حَتّٰى يُحِبَّهُمْ جَمِيْعاً وَيَكُوْنُ قَلْبُهُ سَلِيْماً»

''جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اچھی تعریف کرتا ہے وہ نفاق سے بری ہے اور جو ان میں سے کسی ایک کی تنقیص کرتا ہے وہ بدعتی ہے، سنت اور سلف صالحین کے طریقہ کے مخالف ہے، مجھے خطرہ ہے کہ اس کا کوئی عمل (قبولیت کے لیے) اس وقت تک آسمان پر نہیں جائے گا جب تک وہ سب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت نہ کرے اور اس کا دل صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بغض سے بچا ہوا نہ ہو۔''[1]

اسی طرح انھوں نے حضرت سھل بن عبد اللہ تستری رحمہ اللہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

«لَمْ يُؤْمِنْ بِالرَّسُوْلِ مَنْ لَّمْ يُوَقِّرْأَصْحَابَهُ»

''کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی توقیر نہیں کرتا اس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہی نہیں۔''[2]

امام ابونعیم اصفہانی رحمہ اللہ نے امام فضیل بن عیاض رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

«إِنِّيْ أُحِبُّ مَنْ أَحَبَّهُمُ اللّٰهُ، وَهُمُ الَّذِيْنَ يَسْلَمُ مِنْهُمْ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم، وَأُبْغِضُ مَنْ أَبْغَضَهُ اللّٰهُ وَهُمْ أَصْحَابُ الْأَهْوَاءِ وَالْبِدَعِ»

''میں ان سے محبت کرتا ہوں جن سے اللہ محبت کرتے ہیں اور وہ وہی ہیں جن کی زبان درازیوں سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم محفوظ ہیں اور میں ان سے بغض رکھتا ہوں جن سے اللہ بغض رکھتے ہیں اور وہ خرافی اور بدعتی ہیں۔''[3]

امام ابوحفص عمر بن سلیم رحمہ اللہ المتوفی 264ھ جو شیخ خراسان اور الامام القدوۃ الربانی کے القاب سے یاد کیے جاتے ہیں، فرماتے ہیں:

① الشفا: 42/2. ② الشفاء: 44/2. ③ حلية الاولياء: 103/8، بسند صحيح.

«لَوْأَنَّ رَجُلًا ارْتَكَبَ كُلَّ خَطِيْئَةٍ مَاخَلَا الشِّرْكَ بِاللّٰهِ، وَخَرَجَ مِنَ الدُّنْيَا سَلِيْمَ الْقَلْبِ لِأَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ»

''اگر کوئی شرک کے علاوہ دوسرے گناہ کا مرتکب ہو اور دنیا سے جائے کہ اس کا دل صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں پاک صاف ہو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے گا۔''

ان سے کہا گیا کہ کیا اس کی کوئی دلیل ہے تو انھوں نے فرمایا: ہاں، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: اے میرے نبی ﷺ! کہہ دیں کہ اگر تم اللہ سے محبت چاہتے ہو تو میری اتباع کرو، آپ ﷺ کی اتباع یہ ہے کہ آپ کی وجہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کی جائے۔ (کہ آپ بھی اپنے صحابۂ کرام ﷺ سے محبت کرتے تھے) حضرت ابو سعید احمد بن محمد نیسابوری رحمہ اللہ جو اس قول کے راوی ہیں، فرماتے ہیں: کہ میں فارس میں تھا تو مجھ سے امام ابو حفص رحمہ اللہ کے اس قول کے بارے میں پوچھا گیا تو میں نے ایک دن میں ان کا یہ قول ایک ہزار مرتبہ ذکر کیا اور لوگوں کو املاء کروایا۔[1]

امام بشر بن الحارث الحافی رحمہ اللہ، جو کبار اہل اللہ میں شمار ہوتے ہیں، فرماتے ہیں:

«أَوْثَقُ عَمَلِيْ فِيْ نَفْسِيْ حُبُّ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ»

''میرے نزدیک میرا سب سے پختہ عمل محمد ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت ہے۔''[2]

امام بشر حافی رحمہ اللہ ہی فرماتے ہیں:

«نَظَرْتُ فِيْ هٰذَا الْأَمْرِ فَوَجَدْتُّ لِجَمِيْعِ النَّاسِ تَوْبَةً إِلَّامَنْ تَنَاوَلَ أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حَجَزَ عَنْهُمُ التَّوْبَةَ»

''میں نے دین کے معاملے میں غور کیا تو یہ بات معلوم ہوئی کہ تمام لوگوں کے لیے

---

[1] اَلْجُزْءُ الْاَوَّلُ، اَلْفَوَائِدُ وَالْاَخْبَارُ وَالْحِكَايَاتُ، رقم: 44، للامام ابی علی الحسن بن الحسين الهمزانی المتوفى 405 ه. [2] الحلية: 338/8.

توبہ ہے مگر جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر حرف گیری کرتا ہے ان کی توبہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے توبہ کی توفیق سلب کر لی ہے۔''[1]

کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر حرف گیری اہلِ بدعت کا شعار ہے، ظاہر ہے کہ جب وہ اس بُری عادت سے باز آئیں گے تبھی انھیں توبہ کی توفیق ملے گی، بالکل یہی بات امام بشر حافی رحمہ اللہ نے اپنے شیخ امام فضیل بن عیاض رحمہ اللہ سے نقل کی ہے کہ

''مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بدعتی کی توبہ قبول نہیں کرتے اور سب سے بُری بدعت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھنا ہے۔ امام بشر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بات کہہ کر امام فضیل رحمہ اللہ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا پختہ عمل صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت کو بناؤ، اگر تو قیامت کے دن ریت کے ذرات کے برابر گناہ لے کر آئے گا تو اللہ تعالیٰ تمھیں معاف فرما دے گا لیکن اگر تیرے دل میں ذرہ بھر صحابۂ کرام کے بارے میں بغض ہوا تو تیرا کوئی عمل تجھے فائدہ نہیں دے گا۔''[2]

امام عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے بسندِ حسن امام ابو طاہر السّلفی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

«خَصْلَتَانِ مَنْ كَانَتْ فِيْهِ: الصِّدْقُ وَحُبُّ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ فَأَرْجُوْا أَنْ يَنْجُوَا إِنْ سَلِمَ»

''ایمان وتسلیم کے بعد دو خصلتیں ہیں جس میں وہ پائی جائیں گی امید ہے وہ نجات پا جائے گا۔ ایک سچ وصدق اور دوسری محمد ﷺ کے صحابہ سے محبت۔''[3]

امام ابوبکر الآجری رحمہ اللہ نے یہی قول امام الفضیل بن عیاض رحمہ اللہ کے واسطہ سے امام ابن مبارک رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے اور اس قول کو حکایت کرنے سے پہلے خود امام الفضیل رحمہ اللہ

---

[1] المجالسة للدينوري: 6/397. [2] المجالسة: 5/412. [3] الطيوريات: 2/331.

فرماتے ہیں:

«حُبُّ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ ذُخْرٌ أَدَّخِرُهُ، رَحِمَ اللّٰهُ مَنْ تَرَحَّمَ عَلٰى أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ وَإِنَّمَا يَحْسُنُ هٰذَا كُلُّهُ بِحُبِّ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ»

''میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کا ذخیرہ جمع کر رہا ہوں، جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے رحم و کرم کی دعا کرتا ہے اللہ اس پر رحم فرمائے، یہ سب کچھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت سے درست ہے۔''[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے بسندِ صحیح منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا:

«قَالُوْا إِنَّ حُبَّ عُثْمَانَ وَعَلِيٍّ لَا يَجْتَمِعَانِ فِيْ قَلْبِ مُؤْمِنٍ وَكَذَبُوْا، قَدْ جَمَعَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ حُبَّهُمَا بِحَمْدِ اللّٰهِ فِيْ قُلُوْبِنَا»

''لوگ کہتے ہیں کہ عثمان اور علی رضی اللہ عنہما دونوں سے محبت مؤمن کے دل میں جمع نہیں ہو سکتی مگر یہ جھوٹ کہتے ہیں۔ بحمد اللہ ہمارے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے دونوں کی محبت جمع کر دی ہے۔''[2]

امام زھری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں امام سعید بن مسیّب سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا:

«اِسْمَعْ يَا زُهْرِيُّ! مَنْ مَّاتَ مُحِبًّا لِأَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ، وَشَهِدَ لِلْعَشْرَةِ بِالْجَنَّةِ وَتَرَحَّمَ عَلٰى مُعَاوِيَةَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَلَّا يُنَاقِشَهُ الْحِسَابَ»

''زھری! سنو، جو ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے محبت کرے، عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کے

---

[1] كتاب الشريعة: 4/1688. [2] كتاب الشريعة: 4/1770، المعجم لابن الاعرابی: 6/125.

جنتی ہونے کی شہادت دے، معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے رحمت کی دعا کرے، اللہ تعالیٰ کے لیے ہے کہ اس سے حساب کتاب نہ لے۔"[1]

ابوشہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«لَا يَجْتَمِعُ حُبُّ أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ إِلَّافِيْ قُلُوْبِ أَتْقِيَاءِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ»

"ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کی محبت صرف اس امت کے اتقیاء کے دل میں جمع ہوتی ہے۔"[2]

یہی بات علامہ ذہبی رحمہ اللہ[3] نے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ سے اور امام ابن الاعرابی رحمہ اللہ[4] نے ابوجعفر ہاشمی رحمہ اللہ سے بھی نقل کی ہے، اس لیے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بالعموم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے بالخصوص محبت ایمان کی علامت ہے۔ اور ان سے بغض و عداوت، نفاق اور بدعت کی علامت کی ہے۔

②

ایک اشکال کا جواب

بعض حضرات نے کہا ہے کہ حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ یا انصار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھنے کو جو نفاق کی علامت اور ان سے محبت کو ایمان کی علامت قرار دیا گیا تو یہ اوائلِ اسلام کے اعتبار سے ہے کیونکہ خوارج، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتے بلکہ انھیں کافر و مشرک کہتے تھے، کے بارے میں تقریباً اجماع ہے کہ انھیں منافق قرار نہیں دیا گیا۔

لیکن ان احادیث کو اوائلِ اسلام کے ساتھ خاص کرنا اور اسی دور کے منافقین سے مختص

---

① البداية: 139/8. ② كتاب الشريعة: 1771/4، المعجم لابن الاعرابی: 128/2. ③ السير: 273/7. ④ المعجم: 128/2.

سمجھنا محل نظر ہے، جس طرح حدیث ”منافق کی تین علامات ہیں یا یہ کہ جس میں چار خصلتیں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے۔“[1] کے بارے میں بعض نے کہا ہے کہ یہ عہدِ نبوی ﷺ کے منافقین کے بارے میں ہے مگر یہ بھی درست نہیں بلکہ اس نوعیت کی روایات کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ان خصائل سے متصف اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھنے والا منافق کی طرح ہے اور اس کی عادات واطوار کا حامل ہے، یا اس سے منافق عملی مراد ہے۔ جیسا کہ فتح الباری وغیرہ میں تفصیل ہے۔

اسی طرح یہاں اس توہم کا ازالہ بھی ضروری ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض نفاق کی علامت ہے تو ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کیا کہا جائے گا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف برسرِ پیکار رہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ صاحب المفہم یعنی علامہ قرطبی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں:

«وَأَمَّا الْحُرُوْبُ الْوَاقِعَةُ بَيْنَهُمْ فَإِنْ وَقَعَ مِنْ بَعْضِهِمْ بُغْضٌ لِبَعْضٍ فَذَاكَ مِنْ غَيْرِ هٰذِهِ الْجِهَةِ، بَلْ لِلْأَمْرِ الطَّارِئِ الَّذِيْ اقْتَضٰى الْمُخَالَفَةَ، وَلِذٰلِكَ لَمْ يَحْكُمْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ بِالنِّفَاقِ، وَإِنَّمَا كَانَ حَالُهُمْ فِيْ ذَاكَ حَالَ الْمُجْتَهِدِيْنَ فِي الْأَحْكَامِ: لِلْمُصِيْبِ أَجْرَانِ وَلِلْمُخْطِئِ أَجْرٌ وَاحِدٌ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ»

”رہی ان کی باہمی لڑائیاں تو وہ اگرچہ بعض کے بعض سے بغض کی بنا پر ہیں لیکن وہ اس جہت سے نہیں ہیں بلکہ وہ ایسے معاملے کی وجہ سے تھیں جن کا تقاضا باہمی مخالفت تھا، اس لیے ان میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے کو منافق نہیں کہا، ان کا اس میں حال احکام میں مجتہدین کے باہمی اختلاف کی طرح ہے کہ جو درست فیصلہ کرتا ہے اسے دوہرا اجر ہے اور جو غلطی وخطا کرتا ہے اسے ایک اجر ملتا ہے۔“[2]

---

[1] صحيح البخاري: 34,33. [2] فتح الباري:1/63.

گویا یہ بغض باہمی اختلاف اور لڑائی کا نتیجہ تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صحابی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قریبی ہونے کے بنا پر نہیں تھا، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مابین ایک معاملے کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ فَمَنْ أَغْضَبَهَا أَغْضَبَنِي [1] جس نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔ یا جیسے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مابین تکرار اور شکر رنجی کے نتیجہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ناراض ہو کر گھر سے نکل گئے تھے۔ [2] جیسے یہ ناراضی باہمی غلط فہمی کے نتیجہ میں تھی بالکل اسی طرح مخالف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ناراضی بھی اسی نوعیت کی تھی، یوں نہیں کہ وہ ان کے شرف و فضل اور مقام و مرتبہ ہی کے معترف نہ تھے۔

③

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جابجا انھیں ''ایماندار'' کے لقب سے نوازا بلکہ یہ اعلان فرمایا:

﴿ أُولَٰٓئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ﴾

''یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور انھیں اپنی طرف سے ایک روح کے ساتھ قوت بخشی ہے۔'' [3]

گویا ان کے دلوں میں ایمان نقش برحجر کی مانند لکھ دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا:

﴿ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ﴾

''اور انھیں تقویٰ کی بات پر قائم رکھا اور وہ اس کے زیادہ حق دار اور اس کے لائق تھے۔'' [4]

---

① صحيح البخاري: 3767. ② صحيح البخاري: 4441-6204-6280. ③ المجادلة: 22.
④ الفتح 26.

سورۃ الأنفال میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ مہاجرین و انصار کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۚ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾

''اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنھوں نے جگہ دی اور مدد فرمائی یہی لوگ سچے مومن ہیں، ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے۔''[1]

سورۃ الفتح صلح حدیبیہ کے تناظر میں نازل ہوئی جو ذوالقعدہ 6 ہجری میں واقع ہوئی تھی، اسی سورت میں یہ بھی فرمایا:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾

''بلاشبہ یقیناً اللہ ایمان والوں سے راضی ہو گیا، جب وہ اس درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے تو اس نے جان لیا جو ان کے دلوں میں تھا پس ان پر سکینت نازل کر دی اور قریب والی فتح انھیں انعام میں دی۔''[2]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ تو علّام الغیوب ہیں، زمین وآسمان کا کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں، ریت کے ذرات، پانی کے قطرات اور درختوں کے پتے اس کے سامنے ہیں اس کا فیصلہ ہے کہ بیعت کرنے والے ایمانداروں کے دلوں کو میں خوب جانتا ہوں تبھی تو ان پر اپنی رضا کا فیصلہ کر رہا ہوں کہ میں بالکل ان پر راضی ہوں۔

اس تحسین وتعریف کا سبب دراصل وہ بیعت تھی جو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے لی تھی، جو عمرہ کے ارادہ سے احرام باندھے ہوئے خالی ہاتھ آئے تھے اور صرف ایک ایک تلوار ان کے ساتھ تھی، ان حالات میں مشرکین مکہ سے لڑنے مرنے کی بیعت دراصل سیدھا موت کے منہ میں جانے کی بیعت

---

[1] الانفال 74. [2] الفتح 18.

تھی لیکن جونہی رسول اللہ ﷺ نے پکارا سبھی جان دینے کے لیے تیار ہو گئے ان کے اسی فدایانہ جذبہ کے تناظر میں ہی فرمایا گیا ہے کہ میں جانتا ہوں کہ شوقِ شہادت وذوقِ وفاداری کے کیسے کیسے جذبات ان کے دلوں میں مچل رہے ہیں ؎

جو حق کی خاطر جیتے ہیں، مرنے سے کہیں ڈرتے ہیں جگر؟
جب وقت شہادت آتا ہے، دل سینوں میں رقصاں ہوتے ہیں

وہ خوب جانتے تھے کہ ہم نہتے ہیں، حملہ ہوا تو نتیجہ کیا ہو گا لیکن وہ اس فکر سے بے نیاز تھے کیونکہ وہ تو اپنے مال وجان کا سودا پہلے ہی کر چکے تھے اور اس پر مطمئن تھے، ادھر اللہ تعالیٰ نے ان پر سکینت وتمکنت نازل فرما کر ان کے دلوں کو مزید مضبوط بنا دیا۔ (سبحان اللہ)

''رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ'' کا ان کے بارے میں بار بار اظہار ان کے نام کا ایسا لاحقہ قرار پایا ہے جیسے نبیِ کریم ﷺ کے اسمِ گرامی کے ساتھ ''ﷺ'' ہے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اس نصِ صریح کے بعد جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی نہیں وہ دراصل اللہ تعالیٰ سے اختلاف کرتا ہے کہ اللہ تو ان سے راضی ہے مگر میں راضی نہیں۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ اہلِ جنت کو بلائیں گے تو وہ عرض کریں گے اے اللہ! ہم حاضر ہیں تمام بھلائیاں آپ کے ہاتھ میں ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کیا تم راضی ہو گئے ہو؟ وہ عرض کریں گے ہم کیسے راضی نہ ہوں آپ نے ہمیں وہ کچھ عطا فرمایا جو کسی اور کو نہیں ملا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا میں تمھیں اس سے بھی افضل چیز نہ دوں؟ تو وہ کہیں گے اس جنت سے افضل اور کونسی چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ «أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِيْ فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهٗ أَبَداً» ''میں تمھارے اوپر اپنی رضا حلال قرار دے دوں گا اس کے بعد میں تم پر کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔''[1]

[1] صحيح البخاري: 65496، صحيح مسلم: 2896.

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے بھی فرمایا:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝﴾

''اللہ نے مومن مردوں اور مومنہ عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور پاکیزہ رہائش گاہوں کا، جو ہیشگی کے باغوں میں ہوں گی اور اللہ کی طرف سے رضوان سب سے بڑی ہے، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔''[1]

یہی اللہ کی رضا اور خوشنودی جنت کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت بھی ہے، یہ نعمت تمام اہلِ جنت کو جنت میں ملے گی اور اسی نعمت کا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے وعدہ ہو رہا ہے بلکہ پیشگی رضی اللہ عنہم کا فیصلہ فرما دیا گیا۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ اسی حوالے سے رقمطراز ہیں:

«وَالرِّضٰی مِنَ اللّٰهِ صِفَةٌ قَدِيْمَةٌ فَلَا يَرْضٰی اِلَّا عَنْ عَبْدٍ عَلِمَ أَنَّهٗ يُوَافِيْهِ عَلٰی مُوْجِبَاتِ الرِّضٰی، وَمَنْ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَلَا يَسْخَطُ عَلَيْهِ اَبَداً»

''اور ''رضیٰ'' اللہ تعالیٰ کی قدیم صفت ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ اسی بندے سے راضی ہوتے ہیں جس کے بارے میں وہ جانتے ہیں کہ وہ رضا کو واجب قرار دینے والے امور پر پورا اترے گا اور جس سے اللہ راضی ہوتے ہیں، پھر اس پر کبھی ناراض نہیں ہوتے۔''[2]

انھوں نے مزید فرمایا ہے کہ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کی خبر دی ہے وہ جنتی ہیں اگر معلوم ہوتا کہ وہ ایمان و عمل صالح کے بعد ایسے اعمال کا ارتکاب کریں گے جو

---

① التوبة 82. ② الصارم المسلول: 1068/3.

اللہ کی ناراضی کا باعث بنیں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے اہل ہی قرار نہ پاتے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کی گواہی اور ان پر اپنی رضا کا اظہار ہی نہیں فرمایا بلکہ انھیں معیارِ ایمان قرار دیتے ہوئے ان کے ایمان جیسا ایمان لانے کا حکم فرمایا ہے:

﴿ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا ﴾

”پھر اگر وہ اس چیز پر اسی طرح ایمان لائیں، جس طرح تم ایمان لائے ہو تو وہ یقیناً ہدایت پر ہیں۔“ [1]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کو نمونہ ہی نہیں قرار دیا بلکہ ان کے ایمان پر لب کشائی کرنے والوں کی منافقت و سفاہت پر مہر بھی ثبت کر دی:

﴿ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۗ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِنْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ ﴾

”اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جس طرح لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جیسے بیوقوف ایمان لائے ہیں، سن لو! بے شک وہ خود ہی بیوقوف ہیں لیکن وہ نہیں جانتے۔“ [2]

ان ہی منافقوں کے ایک سرغنے نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کہا کہ ”ہم مدینہ طیبہ سے ان ذلیلوں کو نکال باہر کریں گے۔“ جس کے جواب میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ ﴾

”حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لیے اور اس کے رسول اور ایمان والوں کے لیے ہے لیکن منافق نہیں جانتے۔“ [3]

اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کو معیار ہی قرار نہیں دیا بلکہ ان کے مسلک و

[1] البقرة 137. [2] البقرة 13. [3] المنافقون 8.

موقف کو ''معیاری راستہ'' قرار دیتے ہوئے ان کی مخالفت کرنے والوں کو سخت ترین وعید بھی سنائی ہے۔

﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ ﴾

''اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے، اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت خوب واضح ہو چکی اور مومنوں کے راستہ کے سوا (کسی اور راستہ) کی پیروی کرے ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرے گا اور ہم اسے جہنم میں جھونکیں گے وہ بری لوٹنے کی جگہ ہے۔''[1]

یہاں ''سبیل المؤمنین'' سے مراد اول وہلہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا راستہ اور طریقہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے طریقہ سے جدا طریقہ اختیار کرنا سراسر ضلالت اور جہنم کا راستہ ہے، حدیث میں بھی گمراہی سے بچنے کا معیار یہ بیان ہوا ہے۔ «مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ» ''جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔''[2] صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے آخری اور تابعین عظام کے ابتدائی دور میں تقدیر کا انکار کرنے والا ایک بدعتی قدری گروہ پیدا ہو چکا تھا، انھی میں سے کسی نے اس مسئلہ کے بارے میں سیدنا عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی خدمت میں خط لکھا تو اس کے جواب میں انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و فرماں برداری کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھا:

''تم اپنے لیے وہی طریقہ اختیار کرو جس کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے لیے پسند کیا تھا کیونکہ وہ جس حد پر ٹھہرے علم کے ساتھ ٹھہرے اور جس چیز سے انھوں نے روکا بڑی ژرف نگاہی کی بنا پر روکا، وہی مشکل معاملات کو حل کرنے میں سب سے زیادہ دسترس رکھنے والے اور دین کے معاملے میں سب سے زیادہ فضیلت والے تھے، اگر ہدایت اس طریقہ میں تسلیم کی جائے جس پر تم ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم

---

[1] النساء 115. [2] جامع الترمذي:2641.

ہدایت میں ان سے سبقت لے گئے ہو۔ اور اگر تم یہ کہو کہ یہ چیزیں ان کے بعد پیدا ہوئی ہیں تو جان لو کہ ان کو ایجاد کرنے والے وہ لوگ ہیں جو ان کے راستہ پر نہیں ہیں اور اپنے آپ کو ان سے علیحدہ کر لیا ہے، بے شک وہی سابقین ہیں جو دینی معاملات میں اتنا کلام کر گئے ہیں جو بالکل کافی ہے اور اتنا بیان کر گئے ہیں جو اطمینان دلانے والا ہے، پس ان کے طریقہ سے کمی وکوتاہی کرنے کی بھی گنجائش نہیں اور اس طریقہ پر اضافہ وزیادتی کا بھی کسی کو حوصلہ نہیں، بہت سے لوگ ان کے طریقہ میں کوتاہی کر کے جفا کے مرتکب ہوئے اور بہت سے لوگ ان کے طریقہ پر اضافہ کر کے غلو میں مبتلا ہو گئے جبکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم افراط وتفریط کے مابین صراطِ مستقیم پر ہیں۔''[1]

سیدنا عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے اس مکتوب سے بھی حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت، دین کے معاملے میں ان کی سلامتی، صراط مستقیم کے لیے ان کی پیروی کی بڑی حکیمانہ وضاحت ہے۔

④

سچوں کا ساتھ

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ۝﴾

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔''[2]

یہ آیت کریمہ ان تین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے تناظر میں نازل ہوئی ہے جو غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔ جنھیں فرمایا گیا ہے سچوں کا ساتھ دو، اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ

---

① سنن أبي داود مع العون: 4/333,334. ② التوبة 119.

کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے۔[1] یہی بات امام سعید بن جبیر رحمہ اللہ اور امام ضحاک رحمہ اللہ نے فرمائی ہے کہ اس سے مراد ابو بکر وعمر اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ مہاجرین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيٰرِهِمْ وَاَمْوٰلِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ ﴾

''(یہ مال) ان محتاج گھر بار چھوڑنے والوں کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکال باہر کیے گئے۔ وہ اللہ کی طرف سے کچھ فضل اور رضا تلاش کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں۔''[2]

بلکہ سورۃ الحجرات میں تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، جنھوں نے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ان کے بارے میں فرمایا:

﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ ﴾

''یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں۔''[3]

انھی سچوں کا ساتھی بننے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔

⑤

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم امت کے لیے باعثِ امن ہیں

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کو دیکھا تو فرمایا: ستارے آسمان کے لیے امن کا باعث ہیں، جب ستارے ختم ہو جائیں گے تو آسمان کو وہ چیز آلے گی جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ (وہ ٹوٹ پھوٹ جائے گا) اور میں اپنے

[1] ابن ابی حاتم، ابن المنذر، الدر المنثور: 3/289. [2] الحشر 8. [3] الحجرات 15.

صحابہ کے لیے امن کا سبب ہوں جب میں چلا جاؤں گا تو انھیں وہ چیز آلے گی جس کا انھیں وعدہ دیا گیا ہے (فتن وارتداد اوراختلاف القلوب) اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم میری امت کے لیے باعثِ امن ہیں، جب صحابہ رضی اللہ عنہم جائیں گے تو میری امت کو وہ چیز آگھیرے گی جس کا اس سے وعدہ کیا گیا ہے۔ (فسادات ومنکرات اورفتن)[1]

غور فرمایئے اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو امت کے لیے اسی نسبت پر رکھا ہے، جس پر آپ نے خود اپنے آپ کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے رکھا ہے اور ستاروں کو آسمان سے متعلق کیا ہے۔ گویا جس طرح آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے باعثِ ہدایت وامن ہیں اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم امت کے لیے ہدایت وامن کا باعث ہیں بلکہ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ کئی جماعتیں جہاد کریں گی، ان سے پوچھا جائے گا کہ تم میں کوئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی ہو۔ تو وہ کہیں گے: ہاں، تو اس کی برکت سے فتح ہوگی، پھر ایک زمانہ آئے گا کہ کئی جماعتیں جہاد کریں گی، ان سے پوچھا جائے گا کہ تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی صحبت میں رہا ہو۔ (تابعی ہو) تو وہ کہیں گے: ہاں، تب اس تابعی کی وجہ سے فتح ہوگی، پھر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ جماعتیں جہاد کریں گی ان سے کہا جائے گا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو ایسے شخص کی صحبت میں رہا ہو جو صحابہ کی صحبت میں رہا ہو، (تبع تابعی ہو) وہ کہیں گے: ہاں، پھر ان کو اس کی وجہ سے فتح حاصل ہوگی۔[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ پہلے یوں ہی ہوتا تھا مگر اب تو کفار کے ساتھ جہاد کا سلسلہ منقطع ہوگیا بلکہ اب معاملہ اس کے الٹ ہے۔[3]

اس حدیث سے بھی صحابہ کی عظمت واضح ہوتی ہے۔ بلاشبہ خیر القرون میں مجموعی اعتبار سے خیر غالب رہی۔ اور اسلام اور مسلمانوں کا غلبہ رہا، فتنوں کا آغاز اور بدعات ومنکرات کا شیوع اگرچہ صحابہ کے دور ہی سے ہو چکا تھا مگر بعد کے دور میں حکمرانوں کی سرپرستی میں

[1] صحيح مسلم: 308/2. [2] صحيح البخاري: 3649، مسلم: 308/2. [3] فتح الباري: 5/7.

جس طرح انھیں تحفظ دیا جاتا رہا اس کا تصور پہلے قطعاً نہیں تھا۔

⑥

کتبِ سابقہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے جس طرح کتبِ سابقہ میں اپنے حبیب سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی ہے اسی طرح اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ بھی کیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۚ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝﴾

”محمد اللہ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو ان کے ساتھی ہیں کافروں پر بہت سخت، آپس میں نہایت رحم دل ہیں، آپ انھیں اس حال میں دیکھیں گے کہ رکوع کرنے والے ہیں، سجدے کرنے والے ہیں، اپنے رب کا فضل اور (اس کی) رضا ڈھونڈتے ہیں، ان کی شناخت سجدے کرنے کے اثر سے ان کے چہروں میں ہے۔ یہ ان کا وصف تورات میں ہے اور انجیل میں بھی، ان کا وصف اس کھیتی کی طرح ہے جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اسے مضبوط کیا، پھر وہ موٹی ہوئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی، کاشت کرنے والے کو خوش کرتی ہے تاکہ وہ ان کے ذریعے سے کافروں کو غصہ دلائے، اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک

اعمال کیے، بڑی بخشش اور بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔''[1]

اس آیت کریمہ کے متعلقات وسیع الذیل ہیں ہمیں یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ کتبِ سابقہ میں نبیِ کریم ﷺ کی بشارتیں اور اوصاف بیان ہونے کے پہلو بہ پہلو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اوصاف بھی بیان ہوئے ہیں، جنھیں امام دارمی رحمہ اللہ نے اپنی السنن میں بَابُ صِفَةِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْكُتُبِ قَبْلَ مَبْعَثِهِ کے تحت، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے الخصائص الکبریٰ میں اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے، اِزَالَةُ الْخِفَاءِ عَنْ خِلَافَةِ الْخُلَفَاءِ میں مقصدِ اول کی فصلِ سوم میں تیسری آیت کے تحت نقل کیا ہے۔ رافضیوں نے تو یہ بات کہنی ہی تھی تعجب ہے کہ بعض انھی کی زبان بولنے والے رافضی نما سنی بھی کہتے ہیں: کہ ﴿منهم﴾ میں ﴿من﴾ تبعیضیہ ہے سب صحابہ یا جو صلح حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے ان میں بھی سبھی صحابہ مراد نہیں۔حالانکہ یہاں ''من'' بیان جنس کے لیے ہے، جیسے تثلیث کے قائلین کے لیے فرمایا گیا ہے:

﴿وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾

''اگر یہ اپنی باتوں سے باز نہ آئے تو ان میں سے جس نے کفر کیا اسے دردناک سزا دی جائے گی۔''[2]

تثلیث کو ماننے والے تو سبھی کافر ہیں جیسا کہ آیت کی ابتدا میں ہے، اب یوں تو نہیں کہ ان میں سے بعض کافروں کو تو عذاب ہوگا اور بعض کو نہیں، بالکل اسی طرح یہاں سورۃ الفتح میں بھی «منهم» سے بعض نہیں بلکہ سبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے روح المعانی میں ان کی خوب خبر لی ہے جو یہاں «منهم» کو بعض کے معنی میں لیتے ہیں، اسی طرح مولانا مودودی رحمہ اللہ اور دیگر مفسرین نے بھی اس مسموم فکر کی پرزور تردید کی مگر یہاں ہمارا یہ موضوع نہیں۔

---

[1] الفتح 29. [2] المائدة 83.

یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ کاشت کرنے والے کو وہ خوش کرتی ہے، جس کھیتی کا کاشت کار خود اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہو اس کی کامیابی اور کامرانی میں شک و ریب تو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے انکار ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کو اس کھیتی کی کامرانی پر خوشی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کو بھی خوشی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مرض الموت کے ایام میں رسول اللہ ﷺ کی جگہ پر آپ کے حکم سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے رہے تا آنکہ سوموار آیا، صبح کی نماز میں صحابہ صف باندھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے کھڑے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے پردہ ہٹا کر ہماری طرف دیکھا ثُمَّ تَبَسَّمَ یَضْحَكُ پھر تبسم فرماتے ہوئے آپ ہنسے اور اشارہ فرمایا: کہ نماز مکمل کرو اور پردہ لٹکا دیا اسی روز آپ کا انتقال ہوا۔[1] گویا انتقال سے چند گھنٹے پہلے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھتے دیکھ کر خوشی کا اظہار فرمایا۔ جن پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ خوش اور اللہ کا حبیب بھی خوش، ان پر خوش نہ ہونے والے بلاشبہ ﴿لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ تاکہ وہ ان کے ذریعے سے کافروں کو غصہ دلائے، کا مصداق ہیں جو ان کے خلاف منہ بسورتے اور اپنے غیظ وغضب کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اسی لیے تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جس کے دل میں کسی ایک صحابی کے بارے میں غیظ وغضب ہے وہ اس آیت کا مصداق ہے۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ وغیرہ نے فرمایا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کی یہ بات اور اس آیت سے ان کا یہ استدلال بالکل درست ہے۔[2]

⑦

اللہ کا وعدہ

اسی آیت میں آیا ہے: ﴿وَالَّذِينَ مَعَهُ﴾ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اللہ کا وعدہ بخشش اور اجرِ عظیم کا ہے اور اللہ کا وعدہ بہر نوع سچا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہی ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا

① صحيح البخاري: 680. ② تفسير قرطبی: 16/297.

يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ○﴾ ''بے شک اللہ وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔''[1]

اسی لیے امام بیہقی رحمہ اللہ نے کتاب الاعتقاد میں اور حافظ ابن حزم رحمہ اللہ وغیرہ نے فرمایا ہے کہ سب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مغفور اور جنتی ہیں۔ ہمیں ان کے بارے میں یہی اجمالی عقیدہ رکھنا چاہیے یہ اس لیے بھی کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○﴾

''جس دن اللہ، نبی کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے، رسوا نہیں کرے گا، ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف میں دوڑ رہا ہوگا، وہ کہہ رہے ہوں گے اے ہمارے رب! ہمارے لیے ہمارا نور پورا کر اور ہمیں بخش دے یقیناً آپ ہر چیز پر خوب قادر ہیں۔''[2]

یہاں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اللہ کا فیصلہ ہے کہ میں انھیں رسوا نہیں کروں گا۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«أَيْ لَا يُعَذِّبُهٗ وَلَا يُعَذِّبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ»

''کہ اللہ اپنے نبی کو اور نہ ہی ان کے ہمراہ ایمان والوں کو عذاب دے گا۔''[3]

ظاہر ہے کہ یہاں سب ایماندار مراد نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ کوئی بھی مسلمان جہنم میں نہیں جائے گا، اس لیے یہاں خاص طور پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ اب اگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم قیامت کے دن عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں تو کیا یہ معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے باعث رسوائی نہیں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی: ﴿وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ○﴾ ''اور مجھے رسوا نہ کر، جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے۔''[4] صحیح بخاری اور دیگر کتب

[1] آل عمران 9. [2] التحریم 8. [3] قرطبی: 211/18. [4] الشعراء 87.

احادیث میں ہے کہ قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آزر کو سیاہ اور گرد آلود دیکھیں گے تو اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ اے پروردگار! آپ نے تو مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت کے دن تجھے ذلیل نہیں کروں گا اس سے بڑی اور رسوائی کون سی ہے کہ میرا باپ تیری رحمت سے دور ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: میں نے کافروں پر جنت حرام کر دی ہے، پھر ابراہیم علیہ السلام سے کہا جائے گا اپنے پاؤں کے نیچے دیکھو، وہ دیکھیں گے ایک بجو نجاست سے لتھڑا ہوا ہے، فرشتے اسے پاؤں سے پکڑ کر دوزخ میں پھینک دیں گے۔[1] اگر حضرت ابرہیم علیہ السلام کے والد کی ذلت ورسوائی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسوائی ہے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی رسوائی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسوائی ہے مگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ اللہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو رسوا نہیں کرے گا۔ لہٰذا یہ بھی اس بات کی برھان ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جنتی ہیں جیسے دنیا میں ساتھی تھے قیامت کے دن بھی، جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہوں گے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اگر کسی سے گناہ سرزد ہوا ہے اور توبہ کا موقعہ بھی میسر نہیں آیا تو انھیں قبر کی تنہائیوں میں برزخی زندگی میں برزخی عذاب کے ذریعہ سے پاک کر دیا جائے گا تاکہ آخرت کی رسوائی سے وہ بچ جائیں۔ بعض روایات میں جو بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں عذابِ قبر کا ذکر آیا ہے تو وہ یہی برزخی عذاب ہے عذابِ جہنم و آخرت نہیں۔ قیامت میں عذابِ جہنم سے بچنے کے جس قدر اسباب ہیں ان میں ایک یہی عذابِ قبر ہے جس کی تفصیل علامہ ابن ابی العز رحمہ اللہ کی مشہور کتاب شرح العقیدۃ الطحاویۃ[2] میں اور شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کی منہاج السنۃ[3] میں ملے گی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ

---

[1] صحيح البخاري: 4749,3350، فتح الباري: 500/8، تفسير ابن كثير: 452/3. [2] شرح العقيدة الطحاوية، ص: 327-337. [3] منهاج السنة: 179/3-186.

الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

''اللہ تعالیٰ نے یقیناً نبی ﷺ اور ان مہاجرین وانصار کی توبہ قبول فرمائی جنھوں نے مشکل گھڑی میں بھی نبی ﷺ کی پیروی کی، اس کے بعد کہ قریب تھا ان میں سے ایک فریق کے دل ٹیڑھے ہو جائیں، پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف کر دیا، بلاشبہ وہ ان پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''[1]

حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ مشکل گھڑی میں ان کے دلوں میں جو خطرات تھے اللہ نے وہ بھی معاف فرما دیے۔ اللہ تعالیٰ کی اسی رأفت ورحمت کا تقاضا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اگر کوئی خطا سرزد ہوئی ہے تو وہ انھیں توبہ کی توفیق عطا فرما دے گا اور اسبابِ مغفرت میں سے کوئی ذریعہ ان کی بخشش کا بنا دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحدید میں عمومی طور پر مومنوں کے لیے فرمایا ہے:

﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝﴾

''جس روز تو ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو دیکھے گا ان کی روشنی ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف میں دوڑ رہی ہوگی، آج تمھیں ایسے باغوں کی خوشخبری ہے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، ہمیشہ ان میں رہنے والے ہو، یہی تو بہت بڑی کامیابی ہے۔''[2]

اس آیتِ کریمہ کے عموم میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اول وہلہ میں شامل ہیں مگر سورۃ التحریم میں تو ﴿اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾ کہہ کر بالکل اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا ہے جیسے سورۃ الفتح میں ﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ﴾ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما،

---

[1] التوبة 117. [2] الحديد 12.

مجاہد رحمہ اللہ، حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مومن جب منافقوں کا نور ختم ہوتا ہوا دیکھیں گے تب اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ اے اللہ! ہمارا نور پورا رکھ۔ یہ ان کی طرف سے گویا فروتنی تواضع اور بندگی کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا اعتراف ہے۔

ایک اور مقام پر انھی خوش نصیبوں کے بارے میں فرمایا:

﴿لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾

''لیکن رسول نے اور ان لوگوں نے جو اس کے ہمراہ ایمان لائے، اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے سب بھلائیاں ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔''[1]

اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے محفوظ و مامون ہوں گے اور فلاح و فوز ان کا مقدر ہوگی۔

⑧

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جنتی ہیں

اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی قسمتوں کا فیصلہ کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے:

﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۚ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۚ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾

''ایمان والوں میں سے بیٹھ رہنے والے، جو کسی تکلیف میں نہیں اور اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں، اللہ نے اپنے

① التوبة 88.

مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر درجے میں فضیلت دی ہے اور ہر ایک سے اللہ نے اچھی جزا (جنت) کا وعدہ کیا ہے۔''[1]

سورۃ النساء کی اس آیت میں غزوۂ بدر میں شریک ہونے والوں کے لیے کسی معذوری کے بغیر شریک نہ ہونے والوں سے، درجہ کی بلندی اور برتری کا ذکر فرمایا ہے، اس فرق مراتب کے باجود فرمایا: ﴿ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ﴾ اللہ کا وعدہ دونوں کے لیے جنت کا ہے، غزوۂ بدر میں شریک ہونے والوں کے بارے میں درجات کی بلندی، مغفرت و رحمت کی بشارتیں ہیں، اہلِ بدر ہی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کے بارے میں فرمایا ہے: تم جو چاہو عمل کرو میں نے تمھارے لیے جنت واجب کر دی ہے۔[2] مگر بدر میں شریک نہ ہونے والے بھی سعادت سے محروم نہیں، اللہ تعالیٰ نے دونوں کے لیے جنت کا وعدہ کیا ہے۔

بالکل یہی بشارت اسی اسلوب میں فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کرنے والوں اور فتح مکہ کے بعد جان و مال سے جہاد کرنے والوں کے بارے میں ہے، چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ ﴾

''تم میں سے جس نے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا اور قتال کیا وہ (اور یہ عمل بعد میں کرنے والے) برابر نہیں، یہ لوگ درجے میں ان لوگوں سے بڑے ہیں جنھوں نے بعد میں خرچ کیا اور قتال کیا اور ان سب سے اللہ نے اچھی جزا (جنت) کا وعدہ کیا ہے اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو خوب باخبر ہے۔''[3]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی درجہ بندی کی ہے ایک وہ جو فتح مکہ

---

[1] النساء 96,95. [2] صحيح البخاري: 3983. [3] الحديد 10.

سے پہلے ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں جان و مال خرچ کرنے سے دریغ نہیں کیا، دوسرے وہ جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے اور انھوں نے بھی اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا اور جہاد کیا۔ فرقِ مراتب کے باوجود دونوں ہی کے بارے میں فرمایا: ﴿ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ﴾ ''اللہ نے حسنیٰ یعنی اچھی جزا (جنت) کا وعدہ کیا ہے۔'' اَلْحُسْنٰى کا لفظ جنت ہی کے معنی میں قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے، چنانچہ ایک جگہ فرمایا:

﴿ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ﴾

''جن لوگوں نے نیکی کی انھیں کے لیے نہایت اچھا بدلہ اور اس سے زیادہ ہے۔''[1]

حدیث و آثار میں وضاحت ہے کہ اَلْحُسْنٰى سے مراد جنت اور ''زیادہ'' سے مراد اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔ اسی طرح سورۃ الانبیاء میں اللہ تعالیٰ نے پہلے جہنم اور جہنمیوں کا ذکر کیا، پھر فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ○ ﴾

''بے شک وہ لوگ جن کے لیے ہماری طرف سے بھلائی طے ہو چکی وہ اس سے دور رکھے گئے ہوں گے۔''[2]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ''الحُسنٰى'' کا وعدہ ہے اور یہاں جن سے ''الحُسنٰى'' کا وعدہ ہے ان کے بارے میں جہنم سے دور رہنے کا اعلان ہے، اتنا دور کہ اس کے بعد فرمایا: ﴿ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ﴾ ''وہ اس کی آہٹ (بھی) نہیں سنیں گے۔'' اسی سے حافظ ابنِ حزم رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب قطعی جنتی ہیں۔ ان کے الفاظ ہیں: كُلُّهُمْ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ قَطْعاً[3] شائقین حافظ ابنِ حزم رحمہ اللہ کا مکمل کلام ان کی معروف کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل[4] میں ملاحظہ فرمائیں۔

---

[1] یونس 26. [2] الانبیاء 101. [3] الاصابۃ: 7/1. [4] الفصل فی الملل والاھواء والنحل: 149,148/4.

یہاں یہ بات بھی دیکھیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک بار سورۃ الانبیاء کی یہی آیت تلاوت کی اور فرمایا: عُثْمَانُ مِنْهُمْ کہ جن کے لیے ''اَلْحُسْنٰی'' کا وعدہ ہے ان میں عثمان ہیں۔ ①

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں دو طبقے یا دو گروہ تھے ایک مہاجرین اور دوسرا انصار، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن پاک میں جگہ جگہ ان کے فضائل اور مناقب، ان کی بخشش اور مغفرت کا ذکر کیا ہے بلکہ ان کے نقشِ قدم پر چلنے والوں کو بھی اپنی رضا مندی اور جنت کی بشارت دی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○﴾

''مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے اور اس نے ان کے لیے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔'' ②

سابقین اوّلین کون کون ہیں، اس بارے میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، امام سعید بن مسیّب، ابنِ سیرین اور قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ وہ مہاجرین وانصار مراد ہیں جو تحویلِ قبلہ سے پہلے مسلمان ہوئے۔ امام عطاء رحمہ اللہ اور محمد بن کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ امام عامر بن شراحیل شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو صلح حدیبیہ میں شمار ہوئے وہ مراد ہیں۔ گویا سابقین اوّلین، مہاجرین و انصار کے بارے میں غیر مشروط طور پر اور جو ان کے متبع ہوئے، بشرطِ احسان، ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کا اظہار فرمایا ہے۔

حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ بن مسعود اپنے بھتیجے کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس کی ہجرت پر بیعت لے لیجیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

① ابن ابی شیبة: 25/2، ابن جریر: 96/17. ② التوبة 100.

«لَابَلْ عَلَى الْإِسْلَامِ فَإِنَّهُ لَاهِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَيَكُوْنُ مِنَ التَّابِعِيْنَ بِإِحْسَانٍ»

''نہیں بلکہ اسلام پر بیعت، کیونکہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں اور وہ نیکی کے ساتھ پیچھے آنے والوں میں سے ہے۔''[1]

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے اسی روایت کو مسند امام احمد سے نقل کر کے فرمایا ہے کہ یحییٰ بن اسحاق کے علاوہ اس کے سب راوی الصحیح کے راوی ہیں اور یحییٰ بھی ثقہ ہے۔[2]

اس لیے فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والے اور آپ کی زیارت سے مشرف ہونے والے سبھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس آیت کا مصداق ہیں بلکہ علامہ قرطبی رحمہ اللہ وغیرہ نے تو تابعین کرام کو بھی اس میں شامل کیا ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں مذکورہ بالا آیت میں بھی ﴿رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ کی بشارت ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے اس حوالے سے جو کچھ رقم فرمایا ہے وہ انھی کے گوہر بار قلم سے پڑھیے۔

''آیت میں سابقون الاولون اور ان کے متبعین کی نسبت فرمایا: ﴿رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ ''اللہ ان سے راضی ہوا وہ اللہ سے۔''[3] اس مقام کا ایک پہلو قابل غور ہے جس پر لوگوں کی نظر نہیں پڑی، یعنی و رضوا عنہ پر کیوں زور دیا گیا؟ اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ اللہ ان سے خوشنود ہوا۔ کیونکہ ان کے اعمال اللہ کی خوشنودی ہی کے لیے تھے، یہ بات خصوصیت کے ساتھ کیوں کہی گئی کہ وہ بھی اللہ سے خوشنود ہوئے، اس لیے کہ ان کے ایمان و اخلاص کا اصلی مقام بغیر اس کے نمایاں نہیں ہو سکتا تھا۔''

انسان جب کبھی کسی مقصد کی راہ میں قدم اٹھاتا ہے اور مصیبتوں سے دوچار ہوتا ہے تو دو طرح کی حالتیں پیش آتی ہیں کچھ لوگ جوانمرد اور باہمت ہوتے ہیں، وہ بلاتأمل ہر طرح

---

[1] مسند امام أحمد: 468/3. [2] مجمع الزوائد: 250/5. [3] المجادلة 22.

کی مصیبتیں جھیل لیتے ہیں۔لیکن ان کو جھیلنا جھیل لینا ہی ہوتا ہے، یہ بات نہیں ہوتی کہ مصیبتیں ان کے لیے مصیبتیں نہ رہی ہوں، عیش وراحت ہو گئی ہوں کیونکہ مصیبت پھر مصیبت ہے، باہمت آدمی کڑوا گھونٹ بغیر کسی جھجک کے پی لے گا لیکن اس کی کڑواہٹ کی بدمزگی محسوس ضرور کریگا لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جنھیں صرف باہمت ہی نہیں کہنا چاہیے بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ سمجھنا چاہیے، ان میں صرف ہمت وجوانمردی ہی نہیں ہوتی بلکہ عشق وشیفتگی کی حالت پیدا ہو جاتی ہے، وہ مصیبتوں کو مصیبتوں کی طرح نہیں جھیلتے بلکہ عیش وراحت کی طرح ان سے لذت وسرور حاصل کرتے ہیں، راہِ محبت کی ہر مصیبت ان کے لیے عیش وراحت کی ایک نئی لذت بن جاتی ہے، اگر اس راہ میں کانٹوں پر لوٹنا پڑے تو کانٹوں کی چبھن میں انھیں ایسی راحت ملے، جو کسی کو پھولوں کی سیج پر لوٹ کر نہیں مل سکتی حتی کہ اس راہ کی مصیبتیں جس قدر بڑھتی جاتی ہیں، اتنی ہی زیادہ ان کے دل کی خوشحالیاں بھی بڑھتی جاتی ہیں، ان کے لیے صرف اس بات کا تصور کہ یہ سب کچھ کس کی راہ میں پیش آرہا ہے اور اس کی نگاہیں ہمارے حال سے بے خبر نہیں، عیش وسرور کا ایک ایسا بے پایاں جذبہ پیدا کر دیتا ہے کہ اس کی سرشاری میں جسم کی کوئی کلفت اور ذہن کی کوئی اذیت محسوس ہی نہیں ہوتی۔

یہ بات سننے میں تمھیں عجیب معلوم ہوتی ہوگی لیکن فی الحقیقت حالت میں اتنی عجیب نہیں ہے بلکہ انسانی زندگی کی معمولی واردات میں سے ہے اور عشق ومحبت کا مقام تو بہت بلند ہے، بوالہوسی کا عالم بھی ان واردات سے خالی نہیں ؂

حریف کاوشِ مژگانِ خونریزش نہ ناصح
بہ دست آور رگِ جانے ونشتر راتماشا کن

''سابقون الاولون'' کی محبت ایمانی کا یہی حال تھا، ہر شخص جو ان کی زندگی کے سوانح کا مطالعہ کرے گا، بے اختیار تصدیق کرے گا کہ انھوں نے راہِ حق کی مصیبتیں صرف جھیلی ہی نہیں بلکہ دل کی پوری خوشحالی اور روح کے کامل سرور کے ساتھ اپنی پوری زندگیاں ان

میں بسر کر ڈالیں، ان میں سے جو لوگ اولِ دعوت میں ایمان لائے تھے، ان پر شب و روز کی جاں کاہیوں اور قربانیوں کے پورے تیئیس (23) برس گزر گئے لیکن اس تمام مدت میں کہیں سے بھی یہ بات دکھائی نہیں دیتی کہ مصیبتوں کی کڑواہٹ ان کے چہروں پر کبھی کھلی ہو۔ انھوں نے مال و علائق کی ہر قربانی اس جوش و مسرت کے ساتھ کی، گویا دنیا جہاں کی خوشیاں اور راحتیں ان کے لیے فراہم ہوگئی ہیں اور جان کی قربانیوں کا وقت آیا تو اس طرح خوش خوش گردنیں کٹوادیں، گویا زندگی کی سب سے بڑی خوشی زندگی میں نہیں بلکہ موت میں تھی۔ ان میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی تھی جنھوں نے اتنی عمریں نہیں پائیں کہ اسلام کی غربت کے ساتھ اسلام کا عروج واقبال بھی دیکھ لیتے اور عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی طرح کہہ سکتے كُنْتُ فِيْ مَنِ افْتَتَحَ كُنُوْزَ كِسْرىٰ[1] تاہم جب دنیا سے گئے تو اس عالم میں گئے کہ ان سے زیادہ عیش وخوشحالی میں شاید ہی کسی نے دنیا چھوڑی ہو، بدر اور احد کے شہیدوں کے حالات پڑھو، ایمان لانے کے بعد جو کچھ بھی ان کے حصے میں آیا وہ بجز رات دن کی کاہشوں اور مصیبتوں کے اور کیا تھا اور پھر قبل اس کے کہ اسلام کے فتح و اقبال کی کامرانیوں میں شریک ہونے کا موقع ملتا دشمنوں کی تیغ وسنان سے چُور میدانِ جنگ میں دم توڑ رہے تھے۔ لیکن پھر بھی غور کرو ان کے دل کی شادمانیوں کا کیا حال تھا، اس اطمینان وسکون کے ساتھ عیش ونشاط کے بستروں پر کسی نے جان نہ دی ہوگی، جس طرح انھوں نے میدانِ جنگ میں ریتلی زمین پر لوٹ لوٹ کر دی۔ جنگِ احد میں سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے دیکھا، زخمیوں میں پڑے سانس توڑ رہے ہیں۔ پوچھا کوئی وصیت کرنی ہو تو کر دو، کہا اللہ کے رسول کو میرا سلام پہنچا دینا اور قوم سے کہنا ان کی راہ میں جانیں نثار کرتے رہیں۔

---

[1] عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: لَتَفْتَحَنَّ كُنُوْزَ كِسْرىٰ ایسا ضرور ہونے والا ہے کہ کسریٰ کے خزانے فتح مندانہ کھولو گے۔ وَكُنْتُ فِيْ مَنِ افْتَتَحَ كُنُوْزَ كِسْرىٰ یہ پیش گوئی میں نے اپنی آنکھوں سے پوری ہوتے دیکھ لی کیونکہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جنھوں نے کسریٰ کا خزانہ کھولا۔ (بخاری)

عمار بن زیاد رضی اللہ عنہ زخموں سے چُور جانکنی کی حالت میں تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سرہانے پہنچ گئے فرمایا کوئی آرزو ہو تو کہہ دو، عمار رضی اللہ عنہ نے اپنا زخمی جسم گھسیٹ کر اور زیادہ قریب کر دیا اور اپنا سر آپ کے قدموں پر رکھ دیا کہ اگر کوئی آرزو ہوسکتی ہے تو صرف یہی ہے۔

منم وہمیں تمنا کہ بہ وقتِ جاں سپردن
بہ رخِ تو دیدہ باشم تو درونِ دیدہ باشی

عورتوں تک کا یہ حال تھا کہ بیک وقت انھیں ان کے شوہر، بھائی اور باپ کے شہید ہو جانے کی خبر پہنچائی جاتی تھی اور وہ کہتی تھیں یہ تو ہوا مگر بتلاؤ اللہ کے رسول کا کیا حال ہے؟ پھر جب آپ کا جمال جہاں آرا نظر آتا تو بے اختیار خوش ہو کر پکار اٹھتیں كُلُّ مُصِيْبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ تو اگر سلامت ہے تو پھر دنیا کی ساری مصیبتیں ہمارے لیے شہد وشکر کا گھونٹ ہو گئیں۔

من و دل گر فنا شدیم ، چہ باک
غرض اندر میان سلامتِ اوست

تاریخ اسلام میں جنگ حنین پہلی جنگ ہے جس میں بکثرت مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی کا ذکر روایات میں ملتا ہے۔ یہ وقت تھا کہ «سَابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ» کو مال ودولت سے حصہ وافر ملتا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باشندگانِ مکہ کو ترجیح دی جو فتح مکہ کے بعد نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور انصارِ مدینہ کے حصہ میں کچھ نہ آیا کیونکہ آپ کے پیش نظر نومسلموں کی تالیفِ قلب تھی، یہ حالت دیکھ کر بعض نوجوانوں کو خیال ہوا، اہلِ مکہ سے لڑے تو ہم لیکن آج مالِ غنیمت کا حصہ مل انھیں رہا ہے، بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے انصار کو جمع کیا اور فرمایا: «أَلَا تَرْضَوْنَ أَنْ يَّذْهَبَ النَّاسُ بِالشَّاةِ وَالْبَعِيْرِ ، وَتَذْهَبُوْنَ بِالنَّبِيِّ اِلٰى رِحَالِكُمْ» ''کیا تمھاری خوشنودی کے لیے یہ بات کافی نہیں کہ لوگ یہاں سے مالِ غنیمت کے حصے لے کر جائیں اور تم اللہ کے نبی کو اپنے ساتھ لے کر جاؤ؟'' انصار بے اختیار پکار اٹھے: «رَضِيْنَا، يَارَسُوْلَ اللّٰهِ

رَضِيْنَا» ''ہم خوشنود ہیں، یارسول اللہ (ﷺ) ہم خوشنود ہیں۔ (صحیحین)

اور پھر غور کرو جو لوگ وَاتَّبَعُوْهُمْ بِإِحْسَانٍ میں داخل ہوئے انھیں بھی کس درجہ اس مقام سے حصہ وافر ملا تھا؟ دنیا میں شاید ہی کسی عورت کے دل میں اپنے عزیزوں کے لیے ایسی محبت پیدا ہوئی ہوگی جیسی جاہلیت کی مشہور شاعرہ خنساء کے دل میں تھی۔ اس نے جو مرثیے اپنے بھائی صخر کے غم میں کہے ہیں تمام دنیا کی شاعری میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔

يُذَكِّرُنِیْ طُلُوْعُ الشَّمْسِ صَخْرًا
وَاذْكُرُهٗ بِكُلِّ غُرُوْبِ شَمْسٍ [1]

لیکن ایمان لانے کے بعد اسی خنساء کی نفسیاتی حالت ایسی منقلب ہوگئی کہ جنگ یرموک میں اپنے تمام لڑکے ایک ایک کر کے کٹوا دیے اور جب آخری لڑکا بھی شہید ہو چکا تو پکار اٹھی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَكْرَمَنِیْ بِشَهَادَتِهِمْ.

پس وَرَضُوا عَنْهُ میں اشارہ اسی طرف ہے کہ اللہ اور اس کے کلمۂ حق کی راہ میں جو کچھ بھی پیش آیا انھوں نے اسے جھیلا ہی نہیں بلکہ کمال محبت ایمانی کی وجہ سے اس میں خوش حال و خوشنود رہے اور یہی مقام ہے جو ان کے درجہ کو تمام مدارجِ ایمان و عمل میں ممتاز کر دیتا ہے۔

⑨

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان و عمل کا کوئی ہمسر نہیں

جن خوش نصیبوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بار بار ایمان کی گواہی دی اور فرمایا کہ ہم نے ان کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے، وہ ایمان کے سب سے زیادہ حقدار ہیں، کیسے یارا

[1] ہر صبح سورج کا نکلنا صخر کی یاد تازہ کر دیتا ہے اور کوئی شام مجھ پر ایسی نہیں آتی کہ صخر کی یاد سامنے نہ آگئی ہو۔ الاصابہ میں خنساء کے ترجمہ میں دوسرا مصرع یوں ہے: وَأَبْكِيْهِ لِكُلِّ غُرُوْبِ شَمْسٍ.

ہے کہ ان کے ایمان وعمل اور اخلاص میں ہمسری کا دعویٰ کرے؟ خود صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں فرقِ مراتب پایا جاتا ہے۔ جس کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ «لَوْوُزِنَ إِيْمَانُ أَبِيْ بَكْرٍ بِإِيْمَانِ النَّاسِ لَرَجَّحَ إِيْمَانُ أَبِيْ بَكْرٍ» کہ اگر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ایمان کے ساتھ لوگوں کا ایمان تولا جائے تو ابو بکر کا ایمان وزنی ہو گا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ بن عیاش فرماتے ہیں: «مَا سَبَقَهُمْ أَبُوْ بَكْرٍ بِكَثْرَةِ صَلَاةٍ وَلَا صِيَامٍ وَلٰكِنْ بِشَيءٍ وَقَرَفِيْ قَلْبِهِ» ''ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کثرت صوم وصلاۃ کی وجہ سے اولیت کا درجہ حاصل نہیں ہوا بلکہ دل میں ایمان کی بدولت ہے۔''[1]

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فتح مکہ سے پہلے اور اس کے بعد جہاد وقتال کرنے والوں کے مابین مراتب کو بیان کیا ہے، جیسا کہ ابھی گزرا ہے، اصحابِ بدر کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ اِطَّلَعَ عَلٰى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ: اعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ»

''بے شک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اہلِ بدر کو دیکھا تو فرمایا: تم جیسے چاہو عمل کرو میں نے تمھیں معاف کر دیا ہے۔''[2]

ایک روایت میں «فَقَدْ وَجَبَتْ لَكُمُ الْجَنَّةُ» تمھارے لیے جنت واجب ہو گئی۔[3]

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَنْ يَّدْخُلَ النَّارَ رَجُلٌ شَهِدَ بَدْرًا»

''جو بدر میں شریک ہوا وہ ہرگز جہنم میں نہیں جائے گا۔''[4]

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی سند صحیح مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔[5] حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور ابو مرثد غنوی اور زبیر (تینوں) کو بھیجا،

---

[1] منهاج السنة: 183/3. [2] مسند أحمد: 295/2، ابن أبي شيبة: 155/12، عن ابی هريرة.
[3] صحيح البخاري: 3983. [4] مسند أحمد: 396/3. [5] فتح الباري: 305/7.

فرمایا: روضہ خاخ میں جاؤ (یہ مکۂ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے مابین ایک جگہ کا نام ہے)وہاں ایک مشرک عورت ملے گی، اس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کا ایک خط مشرکینِ مکہ کے نام ہے وہ اس سے لے آؤ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا وہیں ہم نے اس کو پایا، وہ ایک اونٹ پر جا رہی تھی۔ ہم نے اس سے کہا خط نکالو، اس نے کہا میرے پاس تو کوئی خط نہیں، ہم نے اس کا اونٹ بٹھایا تلاشی لی تو کوئی خط نہ ملا۔ بالآخر ہم نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان غلط نہیں ہوسکتا، خط نکالو ورنہ ہم تمھیں ننگا کر کے دیکھیں گے۔ جب اس نے اتنی سختی دیکھی تو اپنے نیفے پر ہاتھ ڈالا ایک چادر کا تہ بند باندھے ہوئے تھی اور خط نکال دیا۔ایک روایت میں ہے کہ بالوں کے جوڑے میں سے نکال کر دیا۔ہم وہ خط لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے (خط پڑھا گیا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ! حاطب رضی اللہ عنہ نے اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں سے خیانت کی ہے، اجازت دیجیے میں اس کی گردن اڑا دوں۔ایک روایت میں ہے، اس منافق کی گردن اڑا دوں، آپ نے حاطب کو بلا کر پوچھا حاطب تم نے یہ کیا کیا؟ حاطب رضی اللہ عنہ نے عرض کی میں کیا دیوانہ ہوں کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ رکھوں، اس خط سے میرا مقصد بس اس قدر تھا کہ کفارِ قریش پر میرا کچھ احسان ہو جائے ، یوں وہ میری آل اولاد اور جائداد کو تباہ نہ کریں اور اللہ ان کے ہاتھ سے انھیں بچائے رکھے، آپ جانتے ہیں آپ کے دوسرے اصحاب کے(مکہ میں) عزیز واقارب ہیں، جن کی وجہ سے ان کا گھر بار اور مال سب اللہ بچاتا ہے (میرا تو کوئی وہاں عزیز نہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سچ کہتا ہے اسے اچھا ہی کہو(منافق وغیرہ نہ کہو) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس نے تو اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں سے دغابازی کی ہے۔ اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن اڑادوں، آپ نے فرمایا حاطب رضی اللہ عنہ بدر کی لڑائی میں شریک تھا (تمھیں معلوم نہیں) اللہ نے آسمان سے بدر والوں کو دیکھا اور فرمایا اب تم جیسے چاہو کام کرو تمھارے لیے جنت واجب ہو گئی یا میں نے تمھیں بخش دیا، یہ سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ آبدیدہ ہو گئے اور کہا: اللہ اور اس کا

رسول ہی خوب جانتے ہیں۔[1]

غور فرمایئے! حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے کیسا جرم سرزد ہوا، اگر وہ خط اسی طرح اہلِ مکہ کے ہاں پہنچ جاتا تو گویا غزوۂ مکہ کا راز فاش ہو جاتا، اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس جرم کو دغا بازی اور منافقت سے تعبیر کیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر تمھیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کو معاف کر دیا ہے اور جنت ان کے لیے واجب قرار دی ہے۔ یہ واقعہ غزوۂ بدر کے چھ سال بعد ہوا، اسی سے استدلال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کی آئندہ کی خطائیں بھی پیشگی معاف کر دینے کا فیصلہ فرمایا ہے اس کے یہ معنی قطعاً نہیں کہ ان سے کوئی خطا سرزد ہی نہیں ہوگی، وہ بہر حال معصوم نہیں تھے۔

غزوۂ بدر میں شریک ہونے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہی نہیں بلکہ جس قدر اس جنگ میں فرشتے مدد کے لیے آئے تھے وہ بھی دوسرے فرشتوں سے افضل ہیں، چنانچہ رفاعہ بن رافع سے صحیح بخاری میں مروی ہے کہ حضرت جبریلِ امین علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ سے دریافت کیا: آپ اہلِ بدر کو کیا سمجھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: سب مسلمانوں سے افضل۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی: «كَذٰلِكَ مَنْ شَهِدَ بَدْراً مِنَ الْمَلَائِكَةِ» ”اسی طرح وہ فرشتے جو جنگ بدر میں حاضر ہوئے وہ فرشتوں میں افضل ہیں۔“[2]

اسی طرح جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم صلح حدیبیہ میں شریک ہوئے ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَايَدْخُلُ النَّارَ إِن شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ أَحَدٌ مِنَ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا تَحْتَهَا»

”ان شاء اللہ درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں سے کوئی بھی آگ میں نہیں

[1] صحيح البخاري: 4247,3983. [2] صحيح البخاري: 3929.

جائے گا۔"[1]

آپ نے مزید ارشاد فرمایا:

«أَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرُ أَهْلِ الْأَرْضِ»

"آج کے دن روئے زمین پر بسنے والوں میں تم سب سے بہتر ہو۔"[2]

ایک روایت میں ہے۔ «لَايَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ مِمَّنْ بَايَعَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ»

"کہ جنھوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ان میں سے کوئی بھی دوزخ کی آگ میں نہیں جائے گا۔"[3]

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے غلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاطب رضی اللہ عنہ کی شکایت کی کہ وہ اچھا سلوک نہیں کرتا وہ تو جہنم میں جائے گا۔ آپ نے فرمایا: «كَذَبْتَ لَايَدْخُلُهَا فَإِنَّهُ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا وَالْحُدَيْبِيَةَ»

"تو غلط کہتا ہے وہ جہنم میں نہیں جائے گا کیونکہ وہ بدر اور حدیبیہ میں شریک ہوا ہے۔"[4]

اس لیے اگر کسی بدری یا صلح حدیبیہ میں شریک ہونے والے کسی صحابی سے کوئی گناہ یا غلطی سرزد ہوئی بھی ہے تو وہ اس کے لیے قیامت میں عذاب کا قطعاً باعث نہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِيْ فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَباً مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهُ»

"میرے صحابہ کو برا نہ کہو تم میں سے اگر کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کرے تو ان کے ایک مُد (425 گرام) صدقہ کیے ہوئے بلکہ اس کے نصف کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔"[5]

---

[1] مسلم: 2496، عن ام مبشر. [2] صحيح مسلم: 1856. [3] مسند أحمد: 350/3، سنن أبي داود: 4653 عن جابر. [4] مسلم: 2495. [5] صحيح البخاري: 3673، مسلم: 6541.

بلکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام البرقانی رحمہ اللہ کے حوالے سے ایک روایت میں أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا كُلَّ يَوْمٍ کے الفاظ نقل کیے ہیں کہ اگر کوئی ہر روز احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے تب بھی وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے (425 گرام) یا اس سے نصف خرچ کرنے کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔[1] حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ وغیرہ نے فرمایا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی خرچ کی ہوئی ہر چیز یہاں مراد ہے وہ جو ہوں، کھجوریں ہوں یا کھانے کی کوئی اور چیز ہو۔

صحیح مسلم وغیرہ میں اس روایت کے سببِ بیان کا ذکر ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے مابین تلخی پیدا ہوئی تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی زبان سے حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ کے بارے میں ناگوار الفاظ نکل گئے اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ نے فرمایا میرے صحابہ کو برا نہ کہو الخ۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ جنھیں سَيْفٌ مِنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ، اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار کا لقب سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے ملا، جب وہ بھی اپنی تمام تر خدمات کے باوجود حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ (جو سابقین اولین میں سے ہیں) کے مقام و مرتبہ کو نہیں پہنچ سکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں سخت سست کہنے پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو خبردار کیا تو کسی غیر کا کسی صحابی رضی اللہ عنہم کو سب وشتم کرنا یا ان کے بارے میں ناگفتنی باتیں کرنا اپنی عاقبت خراب کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟

صحیح مسلم کی اس تفصیلی روایت سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ صحابی تو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ہیں حضرت خالد رضی اللہ عنہ نہیں، یا ''سَبّ'' کی یہ ممانعت بعد کے صحابہ کو سابقین اولین کے بارے میں ہے، علامہ سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ تصور مردود ہے:

«بِأَنَّ نَهْيَ الصَّحَابِيِّ عَنْ سَبِّ صِحَابِيٍّ آخَرَ لَايَسْتَلْزِمُ أَنْ لَّايَكُوْنَ الْمَنْهِيُّ عَنِ السَّبِّ غَيْرَ صِحَابِيٍّ، فَالْمَعْنٰى لَايَسُبُّ غَيْرُ أَصْحَابِيْ أَصْحَابِيْ وَلَا يَسُبُّ بَعْضُهُمْ بَعْضاً»

---

[1] فتح الباري: 34/7.

”صحابی کو دوسرے صحابی کے بارے میں سبّ کی ممانعت سے یہ لازم نہیں آتا کہ غیر صحابہ کو اس کی ممانعت نہیں، اس لیے حدیث کے معنی یہ ہیں کہ غیر صحابہ میرے صحابہ کو گالی نہ دے اور نہ ہی کوئی صحابی کسی دوسرے صحابی کو گالی دے۔“[1]

بلکہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے طارق بن شہاب سے نقل کیا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے مابین باتوں باتوں میں تکرار ہوئی تو ایک شخص حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں (ان کی حمایت میں) حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازیبا باتیں کرنے لگا جس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «إِنَّ مَابَيْنَنَا لَمْ يَبْلُغْ دِيْنَنَا»

”جو کچھ ہمارے مابین ہے وہ ہمارے دین کو نہیں پہنچ پاتا۔“[2]

گویا حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے بارے میں باتیں کرنے والے کو خبردار کیا کہ یہ ہماری باہمی بھائیوں کی تو تکار ہے، ہماری ایسی شکررنجی ہمارے دین میں نقصان کا باعث نہیں، اس لیے ہماری آپس کی باتوں میں تمھیں ٹانگ نہیں اڑانی چاہیے، تمھاری ایسی جسارت تمھارے لیے نقصان کا سبب ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں کچھ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یاوہ گوئی کی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«مَهْلًا عَنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَإِنَّا أَصَبْنَا ذَنْباً مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ﴿لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ وَأَرْجُوْ أَنْ تَكُوْنَ رَحْمَةٌ مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰى سَبَقَتْ لَنَا»

”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں باز آجاؤ، ہم سے رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں ایک غلطی ہوگئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اگر کوئی اللہ کا نوشتہ پہلے

[1] فتح المغيث: 22,21/4. [2] فضائل الصحابة: 940/2، الحلية: 91/1.

سے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے کیا اس کی پاداش میں تمھیں بڑی سزا دی جاتی اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہمارے بارے میں سبقت لے گئی ہے۔‘‘[1]

امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے شرطِ شیخین پر صحیح اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ بوصیری رحمہ اللہ نے بھی اسے ذکر کیا اور اسے حسن قرار دیا ہے۔[2] یہ روایت ابن ابی حاتم، ابنِ مردویہ اور ابنِ عساکر میں بھی ہے۔[3]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ٹیک لگائے بیٹھے تھے کہ ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں طعن و تشنیع کرنے لگا تو وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، پھر فرمایا: ایک اعرابی صحابی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں انصار صحابہ کی ہجو کی تو انھوں نے فرمایا: اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرفِ صحبت حاصل ہے، اگر یہ شرف اسے حاصل نہ ہوتا تو میں تمھاری (انصار کی) طرف سے دفاع میں اس کے لیے کافی ہوتا۔ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اس واقعہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس اعرابی سے صرف صحابی ہونے کے ناطے درگزر فرمایا۔[4] ورنہ وہ اسے صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کی سزا دیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان، حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرنے والوں کے پس منظر میں سنا کر خبردار فرمایا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ایسی جسارت بہر نوع باعثِ مذمت اور مستوجبِ سزا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ ﷺ فَلَمُقَامُ أَحَدِهِمْ سَاعَةً يَعْنِىْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِ أَحَدِكُمْ عُمُرَهُ»

’’کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا نہ کہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 1734/5، المطالب العالية: 160/4، المستدرك: 239/2. [2] اتحاف الخيرة المهرة: 338/7. [3] الدر المنثور: 203/3. [4] الاصابة: 8/1.

ان کی ایک گھڑی تمھاری زندگی بھر کے اعمال سے بہتر ہے۔''[1]

یہی قول بعینہٖ علامہ علی قاری رحمہ اللہ نے شرح فقہ اکبر اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے منہاج السنۃ میں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کیا ہے۔[2]

اسی طرح سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ، جو عشرہ مبشرہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں شمار ہوتے ہیں، نے فرمایا:

«لَمَشْهَدُ رَجُلٍ مِّنْهُمْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَغْبَرُّ فِيْهِ وَجْهُهُ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِ أَحَدِكُمْ عُمُرَهُ وَلَوْ عُمِّرَ عُمُرَ نُوْحٍ»

''کسی صحابی کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کرنا، جس میں اس کا چہرہ خاک آلود ہو گیا ہو، تمھارے زندگی بھر کے اعمال سے افضل ہے اگر عمر نوح علیہ السلام بھی دے دی جائے۔''[3]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ انھوں نے فرمایا:

«مُعَاوِيَةُ أَفْضَلُ لَسْنَا نَقِيْسُ بِأَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَحَداً»

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں، ہم صحابہ جیسا کسی کو بھی تصور نہیں کرتے۔''[4]

امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ یہاں ایک شخص ہے جو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھتا ہے تو انھوں نے فرمایا:

«لَا تُجَالِسْهُ وَلَا تُوَاكِلْهُ وَلَا تُشَارِبْهُ وَإِذَا مَرِضَ فَلَا تَعُدْهُ»

''نہ اس کے ساتھ بیٹھو، نہ اس سے مل کر کھاؤ پیو اور جب بیمار پڑ جائے تو اس کی

① سنن ابن ماجه: 1626، فضائل الصحابة لأحمد: 27/1، السنة لابن أبي عاصم: 484/2، اصول اهل السنة: 1249/7. ② شرح فقه اكبر، ص:28، و منهاج السنة: 154/1. ③ سنن أبي داود: 344/4، نسائی، مسند أمام أحمد: 187/1، زوائد فضائل الصحابة لابن أحمد: 149/1.
④ السنة للخلال، ص: 434، 435، 477.

بیمار پرسی نہ کرو۔"[1]

امام عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ، جن کا شمار کبار محدثین وفقہاء میں ہوتا ہے، فرماتے ہیں:

«وَاللّٰهِ إِنَّ الْغُبَارَ الَّذِیْ دَخَلَ فِیْ أَنْفِ فَرَسِ مُعَاوِيَةَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَفْضَلُ مِنْ عُمَرَ بِأَلْفِ مَرَّةٍ، صَلّٰی مُعَاوِيَةُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ رضی اللہ عنہ: رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، فَمَا بَعْدَ هٰذَا الشَّرَفِ الْأَعْظَمِ»

"اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی معیت میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ناک کی غبار عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ سے ہزار درجہ افضل ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نمازیں پڑھیں، آپ ﷺ نے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فرمایا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہا اس کے بعد اور بڑا افضل وشرف کیا ہوگا۔"[2]

امام معافی بن عمران رحمہ اللہ جن کا لقب یا قُوْتَةُ الْعُلَمَاءِ تھا، ان سے کسی نے پوچھا حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین کیا فرق ہے؟ راوی کا بیان ہے کہ

«فَرَأَيْتُهٗ غَضِبَ غَضَباً شَدِيْداً وَقَالَ لَا يُقَاسُ بِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ، مُعَاوِيَةُ رضی اللہ عنہ كَاتِبُهٗ وَصَاحِبُهٗ وَصِهْرُهٗ وَأَمِيْنُهٗ عَلٰی وَحْيِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ۔ أَلخ»

"میں نے انھیں دیکھا وہ شدید غضبناک ہوئے اور فرمایا: محمد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے مقابلے میں کسی کو قیاس نہ کیا جائے، معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کے کاتب، آپ کے صحابی، آپ کے قرابت دار اور اللہ تعالیٰ کی وحی پر آپ کے امین تھے۔"[3]

---

(1) الذيل على طبقات الحنابلة لابن رجب: 133/1۔ (2) الشريعة: 2466/5، منهاج السنة: 183/3، البداية: 139/1، تطهير الجنان، ص: 11,10۔ (3) الشريعة: 7467/5، شرح أصول اعتقاد: 1445/8، تاريخ بغداد: 209/1، تاريخ دمشق: 208/59، البداية: 139/8۔

بلکہ حضرت بشر حافی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ میں خود سن رہا تھا امام معافی بن عمران رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ؟ انھوں نے فرمایا:

«كَانَ مُعَاوِيَةُ أَفْضَلَ مِنْ سِتِّمِائَةٍ مِثْلَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِالْعَزِيْزِ»

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ جیسے چھ سو بزرگوں سے بھی افضل تھے۔''[1]

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ جن کی خلافت کو بعض علماء نے خلافتِ راشدہ سے ملایا ہے کہ ان کے دور میں اسلامی قوانین کی تنفیذ، شعائرِ اسلام کی پاسداری خلافتِ راشدہ ہی کے مطابق ہوئی، ان کا ورع وتقوی، ان کا زہد واخلاص لوگوں کے لیے نمونہ تھا، اسی تناظر میں اپنے اپنے دور میں لوگوں نے امام عبداللہ بن مبارک، امام احمد، امام معافی بن عمران رحمہ اللہ وغیرہ کے سامنے ان کے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین فرق کے بارے میں سوال اٹھایا تو انھوں نے بیک انداز جو جواب دیا وہ آپ کے سامنے ہے کہ کسی بڑے سے بڑے جلیل القدر تابعی کا عمل بھی کسی صحابی کے عمل کو نہیں پہنچ سکتا۔

(10)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے درگزر کرنے کا حکم

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنے تمام تر فضائل ومراتب کے باوصف معصوم نہ تھے۔ ان سے خطائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں بھی ہوئیں بلکہ بسا اوقات بڑی سنگین ہوئیں مگر اللہ تعالیٰ نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے درگزر فرمایا اور ان کے بارے میں معافی کا اعلان فرمایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو معافی دینے کا حکم فرمایا، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

---

[1] السنة للخلال، ص: 345.

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۚ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ﴾

''پس اللہ کی طرف سے بڑی رحمت ہی کی وجہ سے تو ان کے لیے نرم ہو گیا ہے اور اگر تو بد خلق، سخت دل ہوتا تو یقیناً وہ تیرے پاس سے منتشر ہو جاتے، سو ان سے درگزر کر اور ان کے لیے بخشش کی دعا کر اور کام میں ان سے مشورہ کر۔''[1]

یہ آیت کریمہ غزوۂ احد کے پسِ منظر میں نازل ہوئی تھی، آپ کا ارادہ تھا کہ مدینۂ طیبہ کے اندر رہ کر مشرکینِ مکہ کے لشکر کا مقابلہ کیا جائے مگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورہ کے بعد آپ باہر میدان میں مقابلے کے لیے تیار ہوئے، میدان میں چند صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک چھوٹی پہاڑی پر کھڑا کیا اور حکم دیا کہ تم نے بہر نوع یہاں کھڑے رہنا ہے، ادھر جب سخت حملہ ہوا تو کچھ صحابہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے، جس کے نتیجہ میں فتح شکست میں تبدیل ہونے لگی، ستر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے اور آپ کا دانت مبارک ٹوٹ گیا، ان تمام باتوں کا آپ کو سخت صدمہ ہوا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں مشورہ دینے پر ندامت پائی گئی کہ ہمارے مشورہ کے نتیجہ میں بات یہاں تک پہنچی ہے مگر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان کی دلجوئی فرماتے ہوئے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ ان سے جو خطا ہوئی اسے آپ معاف کر دیں بلکہ ان کی کمال خیر خواہی میں ان کے لیے بخشش کی دعا بھی کریں بلکہ آئندہ کے لیے بھی ان سے مشورہ لیتے رہیں تا کہ ان کی پوری تشفی و تسلی ہو جائے اور آپ کی نگاہوں میں انھیں اپنی کوتاہی کا احساس نہ رہے۔

یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ اس آیت سے قبل آیت نمبر (152) میں میدان احد میں پہاڑی پر کھڑے کیے گئے بعض صحابہ کی غلطی سے جو پانسا پلٹا اس پر سرزنش کے طور پر فرمایا گیا:

﴿ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ﴾

[1] آل عمران 159.

"تم میں سے کچھ وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے اور تم میں سے کچھ وہ تھے جو آخرت چاہتے تھے۔"[1]

یہاں مالِ غنیمت جمع کرنے کے اقدام کو دنیا طلبی سے تعبیر کیا گیا ہے، حالانکہ ان کا یہ اقدام خالص دنیا طلبی نہ تھا کیونکہ وہ مالِ غنیمت جمع کرنے کے لیے پہاڑی پر سے نیچے اترتے یا نہ اترتے، دونوں صورتوں میں مالِ غنیمت میں سے انھیں وہی حصہ ملنا تھا جو انھیں دوسرے مجاہدین کے ساتھ ملنا تھا۔ ظاہر ہے اس صورت میں ان کے اقدام کو خالص دنیا طلبی نہیں کہا جا سکتا مگر رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی میں مالِ غنیمت کا خیال آنے کو بھی دنیا طلبی سے تعبیر کیا گیا مگر ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ﴾ "بلاشبہ یقیناً اس نے تمھیں معاف کر دیا۔" اسی طرح جو حضرات میدان سے بھاگ نکلے تھے اس کے بعد آیت نمبر (155) میں ان کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ﴾ "اور بے شک یقیناً اللہ نے انھیں معاف کر دیا۔" پہلے گویا اللہ تعالیٰ نے خود انھیں معافی نامہ دیا، پھر اپنے نبی ﷺ سے فرمایا کہ آپ بھی انھیں معاف کر دیں بلکہ ان کے لیے بخشش کی دعا کریں، رہے مشورہ دینے والے تو ان کی دلجوئی کے لیے مزید حکم دیا کہ آئندہ انھیں حسبِ سابق مشورہ میں شریک رکھیں تا کہ انھیں کسی قسم کی ناقدری کا احساس نہ ہو۔

اندازہ کیجیے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی کمال دلجوئی اور معافی نامہ کے باوصف روافض اور ان کی معنوی ذُرِّیَّت کی طرف سے آج بھی ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اس حوالے سے طعن وتشنیع کے نشتر چلائے جاتے ہیں اور ﴿ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا ﴾ سے اپنے بدباطن کا اظہار کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ ان میں دنیا طلب بھی تھے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا.

صحیح بخاری میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ آپ کو

---

[1] آل عمران 152.

معلوم ہے عثمان رضی اللہ عنہ احد کے دن بھاگ گئے تھے؟ انھوں نے فرمایا: معلوم ہے، اس نے کہا: آپ کے علم میں ہے کہ وہ غزوۂ بدر میں شریک نہ تھے؟ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہاں، معلوم ہے، اس نے کہا: کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ بیعتِ رضوان میں بھی شریک نہ تھے؟ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہاں ،معلوم ہے، اس نے اللہ اکبر کہا۔ (اتنی کوتاہیوں کے باوصف عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ؟) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ادھر آؤ، میں تمھیں ان باتوں کی حقیقت بتلاتا ہوں، احد کی لڑائی میں بھاگ جانا تو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ نے ان کا قصور معاف کر دیا اور انھیں بخش دیا۔ رہا بدر میں شریک نہ ہونا تو اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی (رقیہ رضی اللہ عنہا) تھیں، وہ بیمار تھیں جس کی بنا پر انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (تم ان کی تیمارداری میں رہو) تمھیں بدر میں شریک ہونے والوں کے برابر اجر وثواب اور مالِ غنیمت ملے گا۔ رہا بیعتِ رضوان میں غائب ہونا، (تو اس میں بھی ان کی فضیلت ہے) اگر اہلِ مکہ کے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کوئی زیادہ عزت والا ہوتا تو آپ اسے مکہ بھیجتے۔ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف بھیجا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ گئے ہوئے تھے کہ بیعت رضوان ہو گئی، اس پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سیدھے ہاتھ کی طرف اشارہ فرمایا: کہ یہ عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہے اور اس کو اپنے بائیں ہاتھ پر مارا اور فرمایا: یہ عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت ہے، پھر ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے اس شخص سے کہا: یہ تینوں جواب آپ اپنے ساتھ لے جانا۔[1]

غور کیجیے اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احد میں بھاگنے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو معاف کر دیا۔ اللہ نے اپنے نبی کو اس پر درگزر کرنے اور ان کے لیے بخشش کی دعا کا حکم فرمایا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اسے معافی سمجھا مگر دشمنانِ صحابہ کو یہ معافی ایک نگاہ نہیں بھاتی، جس کا اظہار عہدِ صحابہ سے تاہنوز کیا جاتا ہے۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے تحفہ اثنا عشریہ میں روافض کی طرف سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر مطاعن میں اسے سرِ فہرست ذکر کیا ہے۔ اور ان کا

[1] صحيح البخاري، رقم: 3698.

جواب دیا ہے بلکہ معروف رافضی ابن المطھر الحلی نے بھی ''مِنْهَاجُ الْكَرَامَة'' میں ان مطاعن کا ذکر کیا ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے منہاج السنہ میں ان کا جواب دیا ہے۔

اسی طرح غزوۂ بدر کے موقع پر کفارِ مکہ کے جو ستر افراد قیدی ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے اپنی رحم دلی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر ان سے فدیہ لے کر انھیں چھوڑ دیا مگر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو یہ فیصلہ پسند نہ آیا تو اس پر عتاب نازل ہوا کہ

﴿ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝﴾

''تم دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ آخرت کو چاہتا ہے اور اللہ سب پر غالب کمال حکمت والا ہے۔''[1]

یہاں ''دنیا چاہنے'' سے مراد کفار سے فدیہ لے کر انھیں چھوڑنا ہے اور ''آخرت'' سے مراد انجام کار اور مصلحت کے اعتبار سے ہے کہ کفار مغلوب ہو جائیں، ان کی کمر ٹوٹ جائے اور مسلمانوں کی دھاک بیٹھ جائے۔ اس کے بعد فرمایا:

﴿ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝﴾

''اگر اللہ کی طرف سے لکھی ہوئی بات نہ ہوتی، جو پہلے طے تھی تو تمھیں اس کی وجہ سے جو تم نے لیا بہت بڑا عذاب پہنچتا۔''[2]

لکھی ہوئی بات سے اصحابِ بدر کی معافی اور مسلمانوں کے لیے مالِ غنیمت کی حِلّت کا فیصلہ مراد ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مالِ غنیمت کے کھانے کا حکم دیا۔ (جو پہلی امتوں کے لیے ناجائز تھا) اور إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ کہہ کر معافی نامہ کا اظہار بھی کر دیا۔

یہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا فیصلہ تو خود رسول اللہ ﷺ کا بھی تھا اور اللہ تعالیٰ نے اسے بھی ﴿ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ﴾[1] فرمایا ہے۔ اور سورۂ آل عمران (152) میں غزوۂ احد کے مال غنیمت کے تناظر میں بھی یہی بات فرمائی:

---

[1] الأنفال 67. [2] الأنفال 68.

﴿مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا﴾ تم میں سے کچھ دنیا چاہنے والے تھے۔[1] اس آیت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دنیا طلبی کا طعنہ دینے والے فیصلہ کریں کہ سورۃ الانفال میں اسی نوعیت کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کا مصداق کون ہیں؟ جب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی نے دونوں مقامات پر معاملہ رفع دفع کر دیا ہے تو اس کے بعد بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دنیا طلبی کا طعنہ دینا بد باطنی کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے۔

اسی طرح حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کے معاملے میں حضرت مسطح کی سنگین غلطی پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو درگزر کرنے اور معاف کرنے کا حکم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے سورۃ النور آیت (22) میں دیا، جنھوں نے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کا روزینہ بند کر دیا تھا۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی سنگین غلطی سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درگزر فرمایا کہ وہ اہلِ بدر اور اہل شجرہ میں سے ہیں۔ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے ثابت بن الحارث الانصاری کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے کہ انصار کا ایک آدمی منافق ہو گیا اس کا بھتیجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کی شکایت کی کہ میرا چچا منافق ہو گیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَنَّهٗ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا وَعَسٰى أَنْ يُّكَفَّرَ عَنْهُ» ''وہ بدر میں شریک ہوا ہے امید ہے کہ اسے معاف کر دیا جائے گا۔''[2] یعنی اللہ تعالیٰ اسے رجوع کی توفیق عطا فرمائے گا اور اس کی معافی کی سبیل پیدا فرما دے گا۔ حضرت نعمان بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں اور بعض نے کہا ہے ان کا نام عبد اللہ بن النعمان رضی اللہ عنہ تھا، وہ بدر واُحد اور تمام غزوات میں شریک ہوئے، انھوں نے شراب پی بلکہ بعض روایات میں ہے کہ چار بار شراب پی اور اسے حد لگائی گئی، ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی اس پر لعنت ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَا تَلْعَنُوْهُ، فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ أَنَّهٗ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ» ''اسے ملعون نہ کہو، اللہ کی قسم میں تو یہی جانتا ہوں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے۔''[3] شربِ خمر کے بعد حد نافذ کی گئی اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ایمان کی گواہی دی۔ بعض وہ بھی ہیں جن سے زنا کا

[1] الأنفال: 67. [2] الاصابة: 198/1. [3] صحيح البخاري: 6780 وغيره، والاصابة: 240/6.

جرمِ عظیم سرزد ہوا، ان پر حد نافذ کی گئی اور یہی ان کے گناہ کا کفارہ بن گئی، حتی کہ حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو فرمایا «اِسْتَغْفِرُوْا لِمَاعِزٍ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَّوْ قُسِمَتْ بَيْنَ أُمَّةٍ لَوَسِعَتْهُمْ» ''کہ ماعز کے لیے استغفار کرو، اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر وہ امت کے درمیان تقسیم کی جائے تو وہ کفایت کرے گی۔''[1] صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ان زلاّت اور جرائم کے باوجود ان کا احترام واجب ہے۔

غور فرمائیں حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی توبہ کی تعریف کرنے کے باوجود آپ نے فرمایا: اس کے لیے استغفار کرو، اللہ سے اس کے لیے بخشش مانگو۔ یہ اس لیے کہ ہمیں بہر نوع صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے استغفار ہی کا حکم ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں خطا کا صدور ہوا تو آپ کے انتقال کے بعد اس کا ارتکاب ناممکن نہیں، ہم انھیں معصوم نہیں سمجھتے ہیں مگر یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کے بارے میں جنّت کا وعدہ اور جہنم سے آزادی کا یقین دلایا ہے، اس لیے قیامت سے پہلے اللہ تعالیٰ اسبابِ مغفرت میں سے کوئی نہ کوئی سبب پیدا فرما دے گا اور ان سے کیا وعدہ وفا ہوگا۔ شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

«وَلَوْ فُرِضَ أَنَّهُ صَدَرَ مِنْ وَّاحِدٍ مِّنْهُمْ ذَنْبٌ مُحَقَّقٌ فَإِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ لَهُ بِحَسَنَاتِهِ الْعَظِيْمَةِ، أَوْبِتَوْبَةٍ تَصْدُرُمِنْهُ،أَوْ يَبْتَلِيْهِ بَبَلَاءٍ يُكَفِّرُبِهٖ سَيِّئَاتِهٖ،أَوْيَقْبَلُ فِيْهِ شَفَاعَةَ نَبِيِّهٖ وَإِخْوَانِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ أَوْيَدْعُواللّٰهَ بِدُعَاءٍ يَسْتَجِيْبُهُ لَهُ»

''بالفرض اگر ان میں سے کسی سے گناہ ثابت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی عظیم حسنات کی بدولت یا اس کی توبہ کی بنا پر اسے معاف فرما دیں گے، یا اسے کسی ایسی مصیبت و آزمائش میں مبتلا کر دیں گے جو اس کے گناہ کا کفارہ بن جائے گی، یا اس

---

[1] مسلم: 1695.

کے بارے میں اپنے نبی کی شفاعت یا اس کے مومن بھائیوں کی سفارش قبول فرما لے گا یا وہ اللہ سے ایسی دعا کرے جو اس کے حق میں قبول ہو جائے۔ (اور اس کی بخشش کا باعث بن جائے۔)''[1]

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے: کہ اگر کسی صحابی سے امورِ فسق میں سے کوئی عمل ثابت ہوتا ہے تو اس کے یہ معنی تو قطعاً نہیں کہ وہ اسی فسق پر فوت ہوئے ہیں، ہم توبہ سے پہلے تو اسے فاسق کہیں گے لیکن یہ نہیں کہ وہ اس فسق پر قائم رہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت اور ان اوصاف کے سبب جو اللہ تعالیٰ نے ان کے بیان فرمائے ہیں وہ اس پر قائم نہیں رہتے اور اللہ تعالیٰ انھیں توبہ کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔[2] (ملخصاً)

لٰہذا جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فیصلہ ان کی بخشش کا اور ان سے درگزر کرنے کا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر کرنے کا حکم اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے تو امت کے کسی فرد کو کیا حق ہے کہ وہ ان کے بارے میں لب کشائی کرے، ان کی حسنات کی بجائے ان کی زلّات کی تلاش میں رہے اور برسرِ منبر ومحراب یا بذریعہ قلم وقرطاس انھیں رسوا کرنے کی ناپاک جسارت کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی میں ان کی خطاؤں کے باوجود خود ان سے درگزر کیا بلکہ اپنے امتیوں کو یہ حکم فرمایا:

«دَعُوْالِیْ أَصْحَابِیْ، لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِیْ»

''میری خاطر میرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے درگزر کرو، میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا مت کہو۔''[3]

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رِجَالُہٗ رِجَالُ الصَّحِیْحِ اس حدیث کے سب راوی بخاری کے ہیں۔[4]

حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] جامع المسائل، المجموعة الثالثة: 79,78. [2] روح المعانی: 133/26. [3] البزار: 294/3، رقم: 2779 کشف الاستار. [4] مجمع الزوائد: 21/10.

«اِحْفَظُوْنِیْ فِیْ أَصْحَابِیْ»

''لوگو! میری وجہ سے میرے صحابہ کا خیال رکھو، ان کی رعایت کرو۔''[1]

اور بعض روایات میں أَحْسِنُوْا إِلٰی أَصْحَابِیْ کے الفاظ ہیں کہ ''میرے صحابہ کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آؤ۔'' حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا ذُكِرَ أَصْحَابِیْ فَأَمْسِكُوْا، وَإِذَا ذُكِرَ النُّجُوْمُ فَأَمْسِكُوْا وَ إِذَا ذُكِرَ الْقَدْرُ فَأَمْسِكُوْا»

''کہ جب میرے صحابہ کا ذکر کیا جائے تو خاموش رہو، جب ستاروں کا ذکر کیا جائے تو خاموش رہو اور جب تقدیر کا ذکر کیا جائے تو خاموش رہو۔''[2]

تقدیر پر ہر مسلمان کا ایمان ہے مگر اس میں بحث وتکرار کی ممانعت ہے، ستاروں سے متعلقہ امور اور ان کی تأثیر کے بارے میں بحث وتمحیص منع ہے، اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں لب کشائی، ان پر طعن وتشنیع اور ان کے معاملات میں بحث وتکرار سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا ہے۔

بلکہ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرمایا:

«فَاقْبَلُوْا مِنْ مُّحْسِنِهِمْ وَتَجَاوَزُوْا عَنْ مُسِيْئِهِمْ»

''کہ ان کے صالحین کی نیکیوں اور خوبیوں کا اعتراف کرو اور ان کے خطا کاروں کی خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر کرو۔''[3]

---

[1] سنن ابن ماجه، ص: 172، رقم: 2363، مسند أحمد: 26/1، أبو يعلٰى: 102/1، المختارة: 97,96، الصحيحة: 1116,431. [2] طبرانی وغیرہ، الصحيحة: 34. [3] صحيح البخاري: 3799، 3801,3800، مسلم: 6420.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

«أَكْرِمُوْا أَكْرَمَهُمْ وَتَجَاوَزُوْا عَنْ مُّسِيْئِهِمْ»

''ان کے محترم حضرات کی تکریم کرو اور ان کے خطا کاروں سے درگزر کرو۔''[1]

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔ ان کے خطا کاروں سے درگزر کرنے کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ اگر ان سے کسی کے حقوق کی ادائیگی اور حدود کے معاملات میں کوتاہی ہو جائے تب بھی ان سے درگزر کرو بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی عملی کوتاہیوں اور کمزوریوں سے درگزر کرو، ان پر طعن وملامت نہ کرو اور ان کی غلطیوں کا مواخذہ نہ کرو۔ انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ حکم ایک خاص پس منظر میں مہاجرین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ہوا تھا کیونکہ آئندہ خلافت وسیادت انھی کے حصہ میں آنے والی تھی مگر انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ حکم پوری امت کو ہے بلکہ سب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہے کہ ان سے درگزر کرو۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں اس حالت میں حاضر ہوئے کہ اپنے کپڑوں کا کونا اٹھائے ہوئے اور اپنا گھٹنا ننگا کیے ہوئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمھارے صاحب (ابو بکر) کسی سے لڑ کر آئے ہیں، انھوں نے سلام کیا اور بیٹھ گئے، پھر کہنے لگے میرے اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے مابین کچھ تکرار ہوگئی تھی میں نے انھیں سخت سست کہہ دیا، پھر میں شرمندہ ہوا اور ان سے معافی چاہی مگر انھوں نے معاف نہیں کیا۔ اب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں (کہ آپ ان کو سمجھائیں) یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا کی کہ اللہ تعالیٰ تمھیں معاف کرے۔(عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی معافی کے لیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار دعا کر دی ہے۔)، پھر عمر رضی اللہ عنہ شرمندہ ہوئے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر گئے، پوچھا ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں؟ انھیں بتلایا گیا کہ نہیں ہیں، آخر وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو سلام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کا رنگ بدلنے لگا۔

---

[1] زوائد البزار رقم: 2038، للحافظ ابنِ حجر.

ابوبکر رضی اللہ عنہ ڈر گئے کہ آپ عمر رضی اللہ عنہ پر خفا نہ ہوں، وہ دو زانو ہو کر بیٹھے اور عرض کیا (یارسول اللہ!) اللہ کی قسم خطا میری ہے، خطا میری ہے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے مجھے نبی بنا کر تمھاری طرف بھیجا لیکن تم نے مجھے جھوٹا کہا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے سچا کہا اور اپنے مال وجان سے میری خدمت کی۔«فَهَلْ أَنْتُمْ تَارِكُوْ الِیْ صَاحِبِیْ» ''کیا تم میری خاطر میرے دوست کو ستانا چھوڑتے ہو یا نہیں؟''[1] یہاں بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پس منظر میں یہ بات فرمائی، جبکہ یہ حکم سب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہے کہ ان سے درگزر کرو اور انھیں برا مت کہو بلکہ آپ تو اپنے کسی صحابی کی شکایت سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يُبَلِّغُنِیْ أَحَدٌ مِّنْ أَصْحَابِیْ عَنْ أَحَدٍ شَيْئًا فَإِنِّیْ أُحِبُّ أَنْ أَخْرُجَ إِلَيْكُمْ وَأَنَا سَلِيْمُ الصَّدْرِ»

''کہ کوئی بھی مجھ سے میرے کسی صحابی کی شکایت نہ کرے میں چاہتا ہوں کہ میں تمھاری طرف نکلوں اور میرا دل صاف ہو۔''[2]

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے مؤمنین سابقین کے بارے میں بخشش ومغفرت کی دعا کرنے والوں کی تحسین وتعریف کی ہے، چنانچہ سورۃ الحشر میں اللہ تعالیٰ نے مالِ فے کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کے حقدار مہاجرین وانصار ہیں اور وہ بھی حق دار ہیں جو ان کے بعد ہوئے اور وہ اپنے سے پہلے ایمانداروں کے لیے بخشش کی دعا کرتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمٰنِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○﴾

---

[1] صحيح البخاري: 3661، 18/7 مع الفتح. [2] سنن أبي داود مع العون: 415/4، جامع الترمذي مع التحفة: 367/4، مسند أحمد: 392/1 وغیرہ۔

''اور جو ان (مہاجرین وانصار) کے بعد آئے، وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان سب بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہلِ ایمان کے لیے کوئی بغض نہ رکھ، اے ہمارے رب! بے شک تو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔''[1]

گویا مالِ فے کے تین حق دار ہیں۔

① مہاجرین

② انصار

③ وہ ایمان دار جوان کے لیے بخشش کی دعا کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مالِ فے تو دراصل مہاجرین وانصار کے جہاد سے حاصل ہوا ہے اور وہ اس کے حق دار ہیں، رہے ان کے بعد آنے والے تو ان کی حیثیت بالکل اسی طرح ہے جیسے وارثین اپنے باپ کی میراث کے حق دار ہوتے ہیں۔ اور وہ، وہ ہیں جو ان کے بعد انھی کے نقش قدم چلیں اور اپنے پیش رو ایمانداروں کے بارے میں بخشش کی دعا کرتے ہیں اور جو ایسے نہیں بلکہ ان کے بارے میں بغض رکھتے ہیں تو وہ اس مالِ فے کے حصہ داروں میں نہیں ہیں۔[2] امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔[3]

اس آیتِ کریمہ سے مالِ فے کے حق داروں کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ مہاجرین و انصار کے بعد اہلِ ایمان اپنے پیش رو ایمانداروں کے بارے میں بخشش کی دعا کرتے ہیں مگر یہ کیا ستم ظریفی ہے کہ ایمان کے بعض دعوے دار ان کے بارے میں بغض ونفرت کا اظہار کرتے ہیں اور انھیں سب وشتم کا نشانہ بناتے ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بڑی سبق آموز بات فرمائی کہ لوگوں کے تین مراتب ہیں دو گزر گئے، ایک باقی ہے، پھر انھوں نے سورۃ الحشر کی آیت نمبر (8) تلاوت کی

① الحشر 10. ② جامع المسائل مجموعة الثالثه: 78. ③ احکام القرآن لابن العربی.

﴿ لِلۡفُقَرَآءِ الۡمُهٰجِرِيۡنَ ﴾ الآیہ اور فرمایا یہ مہاجرین تھے اور یہ مرتبہ گزر گیا، پھر اس کی آیت نمبر (9) ﴿ وَ الَّذِيۡنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ ﴾ الآیہ، تلاوت کی اور فرمایا یہ انصار ہیں اور یہ مرتبہ بھی گزر چکا، پھر آیت نمبر (10) ﴿ وَالَّذِيۡنَ جَآءُوۡ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ ﴾ الآیہ تلاوت کی اور فرمایا یہ ایک مرتبہ باقی ہے، تم بہت بہتر ہو اگر تم اس باقی رہنے والے مرتبہ میں ہو جاؤ۔[1] امام حاکم نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔[2] ظاہر ہے کہ یہ اسی صورت میں ہے جب مہاجرین وانصار کے بارے میں بخشش ومغفرت کی دعائیں کی جائیں لیکن اگر اس کے برعکس انھیں سب وشتم کا نشانہ بنایا جائے، ان کے بارے میں بغض وکینہ رکھا جائے تو وہ کس شمار قطار میں ہوں گے، یہ فیصلہ قارئین کرام کے دین وایمان کا ہے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«أُمِرُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِأَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَسَبُّوْهُمْ»

''حکم تو یہ دیا گیا کہ محمد ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں استغفار کرو مگر لوگوں نے انھیں برا کہنا شروع کر دیا۔''[3]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا گیا کہ کچھ لوگ صحابۂ کرام حتی کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہم پر بھی حرف گیری کرتے ہیں تو انھوں نے فرمایا:

«مَاتَعْجَبُوْنَ مِنْ هٰذَا انْقَطَعَ عَنْهُمُ الْعَمَلُ فَأَحَبَّ اللّٰهُ أَنْ لَّايَنْقَطِعَ عَنْهُمُ الْأَجْرُ»

''تم اس پر تعجب کیوں کرتے ہو؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل ختم ہو گئے مگر اللہ نے چاہا کہ ان کے اجر کا سلسلہ منقطع نہ ہو۔''[4]

گویا یہ بدنصیب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو برا کہہ کر اپنی ہی عاقبت برباد کرتے ہیں اس سے صحابۂ کرام کا کچھ نہیں بگڑتا۔

---

[1] المستدرك: 484/2. [2] شرح اصول الاعتقاد: 1251,1250/7. [3] صحيح مسلم: 421/2.
[4] جامع الاصول: 554/8، حديث: 6366.

اس کی تائید اس صحیح حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ نے ارشاد فرمایا: کہ میری امت کا مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکاۃ کا اجر لے کر آئے گا مگر کسی کو اس نے گالی دی، کسی پر تہمت لگائی، کسی کا مال کھایا، کسی کا خون بہایا اور کسی کو مارا، اس کی نیکیاں انھیں دے دی جائیں گی جب نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو ان کی خطائیں اس بدنصیب پر ڈال دی جائیں گی اور اسے جہنم رسید کر دیا جائے گا۔[1] (اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ) اس لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہرزہ سرائی اور بدگوئی کرنے والوں کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے اور اپنی عاقبت خراب کرنے سے بچنا چاہیے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«لَاتَسُبُّوْا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ ﷺ فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ أَمَرَنَا بِالْاِسْتِغْفَارِ لَهُمْ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُمْ سَيَقْتَتِلُوْنَ»

’’کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو برا مت کہو، بے شک اللہ تعالیٰ نے یہ جانتے ہوئے کہ عنقریب وہ قتل و قتال میں مبتلا ہوں گے، ہمیں ان کے بارے میں استغفار کا حکم فرمایا ہے۔‘‘[2]

بالکل یہی بات امام ضحاک رحمہ اللہ نے بھی فرمائی ہے۔[3]

جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں درگزر کرنے اور ان کی کمزوریوں سے صرفِ نظر کا حکم فرمایا ہے اور ان کے بارے میں بدزبانی و بدکلامی کرنے سے منع کیا ہے بلکہ ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ان کے بارے میں استغفار کریں۔

انھی نصوص کی بنا پر ہر دور میں ائمۂ سلف نے فرمایا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمیشہ محاسن

---

[1] صحیح مسلم: 2581 [2] زوائد فضائل الصحابة لابن أحمد: 79/1، 1152/2، أصول اعتقاد اهل السنه: 1245/7-1250، الشريعة: 2492/5، منهاج السنة: 154/1، الصارم المسلول: 1072/3 وغیرہ۔ [3] فتح المغيث للسخاوي: 274/3.

ذکر کرنے چاہییں اور ان کی خطاؤں اور ان کی باہمی رنجشوں، مشاجرات اور خصومات کو بیان کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔

چناں چہ شیخ الاسلام حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ، العقیدۃ الواسطیہ میں اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد و اصول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

«وَمِنْ أُصُوْلِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ سَلَامَةُ قُلُوْبِهِمْ وَأَلْسِنَتِهِمْ لِأَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ» ألخ

''اہل السنۃ والجماعت کا اصول ہے کہ وہ اپنے دلوں اور اپنی زبانوں کو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں محفوظ رکھتے ہیں۔''[1]

امام ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے عقیدہ وعمل کے ترجمان ہیں، اپنی مشہور کتاب العقیدۃ الطحاویہ میں رقم طراز ہیں:

«نُحِبُّ أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلَا نُفْرِطُ فِيْ حُبِّ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَلَا نَتَبَرَّأُ مِنْ أَحَدٍ مِّنْهُمْ، وَنُبْغِضُ مَنْ يُّبْغِضُهُمْ وَبِغَيْرِ الْخَيْرِ يَذْكُرُهُمْ، وَلَا نَذْكُرُهُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ، وَحُبُّهُمْ دِيْنٌ وَّإِيْمَانٌ وَإِحْسَانٌ، وَبُغْضُهُمْ كُفْرٌ وَّنِفَاقٌ وَطُغْيَانٌ»

''ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے ہیں، ان میں سے کسی ایک کی محبت میں نہ افراط کا شکار ہیں اور نہ ہی کسی سے براءت کا اظہار کرتے ہیں اور جو ان سے بغض رکھتا ہے اور خیر کے علاوہ ان کا ذکر کرتا ہے ہم اس سے بغض رکھتے ہیں اور ہم ان کا ذکر صرف بھلائی سے کرتے ہیں، ان سے محبت دین، ایمان اور احسان ہے اور ان سے بغض کفر و نفاق اور سرکشی ہے۔''[2]

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین ہونے والے

[1] العقيدة الواسطية، ص: 111، ومنهاج السنة: 220,219/2. [2] شرح العقيدة الطحاوية، ص: 467.

مشاجرات کے بارے میں اپنے تبصرہ کے بعد فرماتے ہیں:

«وَاتَّفَقَ أَهْلُ السُّنَّةِ عَلٰى وُجُوْبِ الْكَفِّ عَمَّا شَجَرَ بَيْنَهُمْ وَالْإِمْسَاكِ عَنْ مَّسَاوِيْهِمْ وَإِظْهَارِ فَضَائِلِهِمْ وَمَحَاسِنِهِمْ وَتَسْلِيْمِ أَمْرِهِمْ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَلٰى مَا كَانَ جَرٰى مِنْ اِخْتِلَافِ عَلِيٍّ وَطَلْحَةَ وَالزُّبَيْرِ وَعَائِشَةَ وَمُعَاوِيَةَ عَلٰى مَا قَدَّمْنَا بَيَانَهٗ»

''اہلِ سنت اس پر متفق ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاجرات اور ان کی کمزوریوں پر خاموشی اختیار کرنا، ان کے فضائل اور خوبیوں کو بیان کرنا اور حضرت علی، طلحہ، زبیر، عائشہ اور معاویہ رضی اللہ عنہم کے مابین جو اختلاف ہوا، اسے اللہ کے سپرد کرنا واجب ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔''[1]

شارحِ صحیح مسلم امام محی الدین النووی فرماتے ہیں:

''اہلِ سنت اور اہلِ حق کا مذہب یہ ہے کہ سب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں حسنِ ظن رکھا جائے، ان کے آپس کے اختلافات میں خاموشی اور ان کی لڑائیوں کی تاویل کی جائے، وہ بلاشبہ مجتہد اور صاحبِ رائے تھے، معصیت اور نافرمانی ان کا مقصد نہ تھا اور نہ ہی محض دنیا طلبی پیشِ نظر تھی بلکہ ہر فریق یہ اعتقاد رکھتا تھا کہ وہی حق پر ہے اور دوسرا باغی اور باغی کے ساتھ لڑائی ضروری ہے تاکہ وہ امرِ الٰہی کی طرف لوٹ آئے، اس اجتہاد میں بعض راہِ صواب پر تھے اور بعض خطا پر، مگر خطا کے باوجود معذور تھے، کیونکہ اس کا سبب اجتہاد تھا اور مجتہد خطا پر بھی گنہگار نہیں ہوتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان جنگوں میں حق پر تھے اہلِ سنت کا یہی موقف ہے، یہ معاملات بڑے مشتبہ تھے، یہاں تک کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت حیران و پریشان تھی، وہ جماعت فریقین سے علیحدہ رہی اور قتال میں حصہ نہیں لیا، اگر انھیں

[1] الغنية: 79/1.

صحیح بات کا یقین ہو جاتا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معاونت میں پیچھے نہ رہتے۔''[1]

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے:

''اہلِ سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا تزکیہ تسلیم کیا جائے، سب کی تعریف کی جائے، جیسے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف کی ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان جو کچھ رونما ہوا وہ اجتہاد پر مبنی تھا۔''[2] الخ

بلکہ علامہ ابن حجر المکی رحمہ اللہ نے امام غزالی رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ بھی نقل کیا ہے:

''واعظین اور دوسرے لوگوں کے لیے حرام ہے کہ مقتلِ سیدنا حسین اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین ہونے والے جھگڑوں اور اختلافات کو بیان کریں، کیونکہ یہ جسارت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض اور ان پر طعن وملامت کرنے پر برانگیختہ کرتی ہے، حالانکہ وہ تو دین کے ستون ہیں، ائمہ نے ان سے دین روایۃً لیا اور ہم نے ائمہ سے دین درایۃً لیا، لہٰذا ان پر طعن کرنے والا خود مطعون ہے جو اپنے اور اپنے دین میں طعن و ملامت کرتا ہے۔''[3]

اسی طرح امام ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد اصبہانی رحمہ اللہ المتوفی 430ھ رقمطراز ہیں:

«فَالإِمْسَاكُ عَنْ ذِكْرِ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَذِكْرِ زَلَلِهِمْ، وَنَشْرُ مَحَاسِنِهِمْ وَمَنَاقِبِهِمْ وَصَرْفُ أُمُوْرِهِمْ إِلٰى أَجْمَلِ الْوُجُوْهِ مِنْ أَمَارَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ الْمُتَّبِعِيْنَ لَهُمْ بِإِحْسَانٍ الَّذِيْنَ مَدَحَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى فَقَالَ: وَالَّذِيْنَ جَآءُ وْ مِنْ بَعْدِ هِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الآية، مَعَ مَاأَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِإِكْرَامِ أَصْحَابِهٖ وَأَوْصٰى بِحَقِّهِمْ وَ صِيَانَتِهِمْ وَإِجْلَالِهِمْ»

---

[1] شرح مسلم للنووی: 2/390، 272. [2] احیاء العلوم: 1/120. [3] الصواعق المحرقۃ: 223.

''صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی خطاؤں سے خاموش رہنا ان کے محاسن ومناقب بیان کرنا اور ان کے معاملات کی اچھی توجیہ کرنا ان مومنوں کی علامات میں سے ہے جو اخلاص سے ان کی پیروی کرتے ہیں جن کی تعریف اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ جو ان کے بعد ہیں وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے سابقین مومنین کو معاف فرما دیجیے اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اکرام کا حکم دیا ہے اور ان کے حقوق، ان کے تحفظ اور ان کی عظمت کو ملحوظ رکھنے کی وصیت کی ہے۔''[1]

اس سے قبل انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی تنازعات اور فقہی اختلافات کے بارے میں مزید فرمایا ہے:

«فَلَمْ يَخْتَلِفْ أَحَدٌ مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فِيْ كُلِّ زَمَانٍ أَنَّ أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَاجْتَهَدُوْا فِيْهِ مِنَ الرَّأْيِ مَأْجُوْرُوْنَ وَمَحْمُوْدُوْنَ وَإِنْ كَانَ الْحَقُّ مَعَ بَعْضِهِمْ دُوْنَ الْكُلِّ» الخ

''ہر زمانہ کے اہلِ علم کے مابین اس میں کوئی اختلاف نہیں ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین جو اختلاف ہوا اور انھوں نے اجتہاداً کوئی رائے قائم کی، اس میں وہ ماجور و محمود ہیں، اگرچہ تمام حق پر نہ تھے بلکہ حق ان میں سے بعض کے ساتھ تھا۔''[2]

ائمۂ اہلِ سنت کی اس نوعیت کی تصریحات کا دائرہ نہایت وسیع ہے، قرنِ اول سے لے کر چودھویں صدی ہجری تک کے تمام محدثین وفقہاء کا یہی فیصلہ ہے اور انھوں نے عقیدہ کے موضوع پر جس قدر بھی کتابیں لکھی ہیں ان تمام میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہی عقیدہ رکھنے کی تاکید ہے، جسے ہم نے باقاعدہ حوالوں سے اپنی تالیف ''مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف کا موقف'' میں تفصیلاً بیان کر دیا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ.

---

[1] كتاب الامامة والرد على الرافضة، ص: 373. [2] الامامة، ص: 370.

بعض خدشات کی حقیقت

ائمۂ سلف کی ان تصریحات کے برعکس بعض حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زلّات اور ان کی لغزشوں کو بیان کرنا شاید اپنا فرضِ منصبی سمجھتے ہیں اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر نقد وتبصرہ کے لیے قرآنِ پاک میں ان کی زلّات کے بعض واقعات سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ان کی غلطیوں کا ذکر کیا ہے۔ تو ان کو بیان کرنے سے روکنا صحابہ رضی اللہ عنہم کی عقیدت میں ''غلو'' ہے لیکن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی لغزشوں کو بیان کرنے اور تتبع وتلاش سے انھیں جمع کر کے نشر کرنے اور اپنے خطبات میں انھیں ہدفِ تنقید بنانے کا یہ استدلال بالکل اسی طرح کا ہے جس طرح کرامیہ انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں یہ خیال رکھتے ہیں کہ (معاذ اللّٰہ) ان سے صغیرہ وکبیرہ گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ کیونکہ قرآنِ مجید میں ان کے بارے میں یہ اور یہ واقعات بیان ہوئے ہیں، وہ انھیں بیان بھی کرتے ہیں اور بڑی دلیری سے اپنے غلط موقف پر ان سے استدلال بھی کرتے ہیں۔ اگر کرامیہ کا یہ استدلال غلط اور بہر حال غلط ہے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں قرآنِ مجید میں ان کی خطاؤں کے تذکرہ کی بنا پر ان کی حکایت پر استدلال بھی غلط ہے، بالخصوص جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خطاؤں کو معاف فرمایا اور ہمیں ان کے لیے بخشش کی دعا کا حکم دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان سے درگزر کرنے کا حکم فرمایا اور انھیں سبّ وشتم کا نشانہ بنانے سے منع کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واضح حکم کے برعکس اس قسم کی جسارت محض بغضِ صحابہ کا نتیجہ ہے۔ اعاذ نا اللّٰہ منه.

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم معصوم نہیں ان سے خطاؤں کا ارتکاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں ہوا، احادیثِ مبارکہ میں بھی بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی خطاؤں کا تذکرہ موجود ہے مگر اس کے باوجود بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تحسین کی بلکہ ان کی ایسی خطاؤں میں بھی ان کے ایمان کی پختگی کی دلیل اور ہمارے لیے عبرت کا سامان ہے جیسا کہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ وغیرہ کی غلطی کے حوالے سے ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ غامدیہ خاتون رسول

اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے اور عرض کرتی ہے کہ میں بدکاری کے نتیجہ میں حاملہ ہوں مجھ پر حد لگائی جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ جب بچہ پیدا ہو، پھر آنا، وضعِ حمل کے بعد وہ دوبارہ حاضرِ خدمت ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا: ابھی نہیں، تمھیں رجم کر دیا گیا تو بچے کو دودھ کون پلائے گا؟ وہ پھر حاضرِ خدمت ہوئی اور عرض کیا، یا رسول اللہ! ان نے دودھ پینا چھوڑ دیا ہے اور کھانا کھانے لگا ہے، بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا۔ آپ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا، رجم کرتے ہوئے اس کا خون حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر پڑا تو انھوں نے اسے برا کہا اور اس کی مذمت کی، مگر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَهْلًا يَا خَالِدُ! فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْتَابَهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَغُفِرَلَهُ»

''باز رہو اے خالد! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے بے شک اس نے ایسی توبہ کی کہ محصول لینے والا ایسی توبہ کرے تو اسے بخش دیا جائے۔''[1]

علامہ محمد بن ابراہیم الوزیر الیمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس صحابیہ کو دیکھو، قتل کی شدید ترین صورت کو اس نے خود اپنے لیے قبول کیا اور طویل مدت اس کا عزم کیے رکھا اور بلا اکراہ خود رجم کا مطالبہ کیا۔ اس کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ

وَهِيَ مِنَ النِّسَاءِ الْمَوْصُوْفَاتِ بِنُقْصَانِ الْعُقُوْلِ وَالْأَدْيَانِ فَكَيْفَ بِرِجَالِهِمْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ»

''یہ انھیں عورتوں میں سے ہے جو ناقصات العقل والدین سے موصوف ہیں، جب اس کا یہ حال ہے تو ان کے مردوں (صحابہ) کا کیا حال ہو گا۔ رضی اللہ عنہم''[2]

نیز فرماتے ہیں کہ ایک صحابی کو چوری کے نتیجہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا تو آپ نے اس کا ہاتھ کاٹ دینے کا حکم فرمایا۔ جب ہاتھ کاٹ دیا گیا تو وہ صحابی ہاتھ کو

[1] مسلم: 1695 (23). [2] الروض الباسم: 56/1.

مخاطب ہو کر کہنے لگے: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَّصَنِيْ مِنْكِ أَرَدْتِّ أَنْ تُدْخِلِيْنِي النَّارِ»

''اللہ کا شکر ہے جس نے تجھ سے میری خلاصی کر دی تو چاہتا تھا میں جہنم میں داخل ہو جاؤں۔''[1]

یہ اور ایسے ہی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دیگر واقعات سے ان کے ایمان کی پختگی ہی ظاہر ہوتی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمٰنَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۚ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝﴾

''لیکن اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کو تمھارے دلوں میں مزین کر دیا اور کفر وفسوق وعصیان سے تم کو نفرت دی، یہی ہیں جو راہِ ہدایت پر ہیں۔''[2]

مفسرین کرام کا بیان ہے کہ یہ اور اس سے قبل کی آیت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی، اس دور میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ربّ عرشِ عظیم نے فرمایا ہے کہ کفر اور فسق وفجور سے ان کے دلوں میں نفرت پیدا کر دی گئی ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ ''فسوق'' سے کبیرہ گناہ، عصیان سے تمام گناہ مراد ہیں۔[3] یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تمام صغیرہ وکبیرہ گناہوں سے متنفر تھے اور یہ نفرت ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دی تھی۔ اس وضاحت کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ تأثر قائم کرنا کہ انھوں نے قصداً وارادۃً محض دنیوی اغراض کی بنا پر غلطیوں کا ارتکاب کیا ہے۔ اپنی آخرت برباد کرنے کے مترادف ہے۔ أعاذنا اللّٰه منه.

② صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر اعتراض کے جواز میں یہ بھی کہا گیا کہ علامہ محمد بن ابراہیم الوزیر الیمانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ تمام صحابہ عادل ہیں مگر جن سے فسق ثابت ہے وہ اس عام حکم سے مستثنیٰ ہیں، محدثین اور اہلِ سنت یہ استثنا اس لیے ذکر نہیں کرتے کہ ان سے فسق نادر ہے، نادر اور قلیل کا حکم بمنزلہ معدوم کے ہے، ان میں سے ایک ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ ہیں اور صحیح مسلم

[1] الروض الباسم: 56/1. [2] الحجرات 7. [3] تفسیر ابن کثیر: 268/4.

وغیرہ میں ہے کہ انھوں نے شراب پی، اس پر گواہوں نے گواہی دی اور ان پر حدِ شربِ خمر نافذ کی گئی۔ علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی ان کے شربِ خمر کا واقعہ بیان کیا ہے بلکہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر ولید رضی اللہ عنہ کو فاسق کہا ہے اور اسی پسِ منظر میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۚ لَا يَسْتَوٗنَ ○﴾ [1] علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے کہا ہے: کہ اس کی سند قوی ہے۔ تفسیر الواحدی، قرطبی، تفسیر رازی وغیرہ میں ہے کہ ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا ﴾ کا سببِ نزول بھی ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

اسی طرح ائمہ حدیث نے بسر بن اَرطاۃ کو بھی فاسق قرار دیا ہے، علامہ یمانی رحمہ اللہ نے یہ بات تنقیح الانظار مع توضیح الافکار [2]، الروض الباسم [3] اور العواصم والقواصم [4] میں کہی ہے بلکہ علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے بھی بسر بن ارطاۃ کی حدیث پر بحث کے دوران میں کہا ہے۔

«فَثُبُوْتُ صُحْبَتِهٖ لَا يَرْفَعُ الْقَدْحَ عَنْهُ عَلٰى مَاهُوَالْمَذْهَبُ الرَّاجِحُ بَلْ هُوَ إِجْمَاعٌ لَا يَخْتَلِفُ فِيْهِ أَهْلُ الْعِلْمِ كَمَا حَقَّقْنَا ذٰلِكَ فِيْ غَيْرِ هٰذَا الْمَوْضِعِ وَحَقَّقَهُ الْعَلَّامَةُ مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ الْوَزِيْرُ فِيْ تَنْقِيْحِهٖ»

”اس کے صحابی ہونے کے ثبوت سے اس سے جرح وقدح ختم نہیں ہوتی، راجح مذہب کے مطابق بلکہ اس پر اہلِ علم کا اجماع ہے جیسا کہ ہم نے اس کے علاوہ اور موقع پر اور علامہ محمد بن ابراہیم الوزیر رحمہ اللہ نے اپنی تنقیح الانظار میں اس کی تحقیق کی ہے۔“ [5]

علامہ ابن الوزیر رحمہ اللہ نے تنقیح الانظار میں ان ہی دو صحابہ کے بارے میں کہا ہے کہ وہ عدالتِ صحابہ کے عمومی حکم سے مستثنیٰ ہیں مگر امر واقع یہ ہے کہ ان دو صحابہ کے بارے میں بھی

---

[1] السجدة 18. [2] تنقيح الانظار مع توضيح الافكار: 2/443,436. [3] الروض الباسم: 1/130,127.
[4] العواصم والقواصم: 1/678,677. [5] نيل الاوطار: 7/137، كِتَابُ الْقَطْعِ فِي السَّرْقَةِ بَابٌ فِيْ حَدِّ الْقَطْعِ وَغَيْرِهٖ هَل يَسْتَوْفِيْ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ أَمْ لَا.

ان کا دعویٰ محلِ نظر ہے۔

بلاشبہ حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ پر شراب پینے کی بنا پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حد نافذ کی تھی مگر قابلِ غور یہ بات ہے کہ شربِ خمر کا یہ جرمِ عظیم ان کے ''فاسق'' ہونے کی دلیل ہے؟ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں حضرت عبد اللہ بن نعمان الحمار رضی اللہ عنہ صحابی نے ایک دو بار نہیں بلکہ چار بار شراب نوشی کی، ان پر حد نافذ کی گئی اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا: میں اس کے بارے میں یہی جانتا ہوں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔'' علاوہ ازیں حضرت ولید رضی اللہ عنہ پر جب حد جاری کر دی گئی تو یہ حد ان کے گناہ کا کفارہ بن گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوْقِبَ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهٗ»

''اور جو کوئی ان گناہوں میں سے کچھ کر بیٹھے اس کو دنیا میں اس کی سزا مل جائے تو وہ سزا اس گناہ کا کفارہ ہے۔''[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس پر تفصیلاً بحث کی اور اس موضوع کی دیگر روایات بیان کر کے فرمایا ہے کہ جمہور کا یہی موقف ہے کہ حد نافذ ہو جانے سے گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ علامہ الوزیر رحمہ اللہ کی طرح جناب ولید رضی اللہ عنہ پر بعض دیگر حضرات کے اسی نوعیت کے اعتراض کے جواب میں علامہ سخاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

«أَمَّا الْوَلِيْدُ وَغَيْرُهٗ مِمَّنْ ذُكِرَ بِمَا أَشَارَ إِلَيْهِ فَقَدْ كَفَّ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ لَّعَنَ بَعْضَهُمْ بِقَوْلِهٖ: لَاتَلْعَنْهُ فَوَاللّٰهِ مَاعَلِمْتُ إِلَّا أَنَّهٗ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ، كَمَا كَفَّ عُمَرَ عَنْ حَاطِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَائِلًا لَهٗ إِنَّهٗ شَهِدَ بَدْرًا وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ اللّٰهَ اِطَّلَعَ عَلٰى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ ، لَا سِيَّمَا وَهُمْ مُخْلِصُوْنَ فِي التَّوْبَةِ فِيْمَا

[1] صحيح البخاري: 18 وغیرہ۔

لَعَلَّهٗ صَدَرَ مِنْهُمْ وَ الْحُدُوْدُ كَفَّارَاتٌ، بَلْ قِيْلَ فِي الْوَلِيْدِ بِخُصُوْصِهٖ إِنَّ بَعْضَ أَهْلِ الْكُوْفَةِ تَعَصَّبُوْا عَلَيْهِ فَشَهِدُوْاعَلَيْهِ بِغَيْرِ الْحَقِّ، وَبِالْجُمْلَةِ فَتَرْكُ الْخَوْضَ فِيْ هٰذَا وَنَحْوِهٖ مُتَعَيَّنٌ»

”رہے ولید رضی اللہ عنہ وغیرہ جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اسے لعنت کرنے سے روکا تھا جس نے بعض پر (شربِ خمر کی وجہ سے) لعنت کی: کہ اس پر لعنت نہ کرو اللہ کی قسم میں یہی جانتا ہوں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ جیسے عمر رضی اللہ عنہ کو حاطب رضی اللہ عنہ کے بارے میں لب کشائی سے یہ کہتے ہوئے روکا کہ وہ بدر میں شریک ہوا ہے اور تمھیں کیا معلوم اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کو دیکھا تو فرمایا: تم جو چاہو عمل کرو بے شک میں نے تمھیں معاف کر دیا ہے۔ بالخصوص جو ان سے صادر ہوا اس سے توبہ میں وہ مخلص تھے اور حدود گناہوں کا کفارہ ہیں بلکہ ولید رضی اللہ عنہ کے بارے میں بالخصوص کہا گیا ہے کہ بعض اہلِ کوفہ نے عصبیت میں ان کے خلاف شراب نوشی کی ناحق گواہی دی تھی۔ خلاصۂ کلام یہ کہ اس جیسے واقعات میں بحث وتکرار نہ کرنا ہی طے شدہ فیصلہ ہے۔“[1]

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے بھی طبری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بعض اہلِ کوفہ نے تعصباً ان کے خلاف گواہی دی تھی۔[2] اسی بات کی طرف اشارہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ[3] میں بھی کیا ہے۔ اور یہ بات اہلِ کوفہ سے بعید بھی نہیں جنھوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ پر ناروا اعتراض کر کے انھیں معزول کروادیا تھا ان سے ولید رضی اللہ عنہ پر شراب نوشی کا الزام ناممکن نہیں۔

رہی یہ بات کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولید رضی اللہ عنہ کو فاسق کہا تھا اور اسی پس منظر میں سورۃ السجدۃ کی یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۚ لَا يَسْتَوٗنَ ۝ ﴾[4] اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو قوی کہا ہے۔ لیکن یہ قصہ بھی درست نہیں کیونکہ اسے بیان

[1] فتح المغيث: 37,36/4. [2] الاصابة: 322/6. [3] البداية والنهاية: 155/7. [4] السجدة: 18.

کرنے والا محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہے جو اگرچہ صدوق ہے مگر سَيِّئُ الْحِفْظِ ہے بلکہ امام یحییٰ القطان رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: «سَيِّئُ الْحِفْظِ جِدّاً» ''اس کا حافظہ بہت خراب تھا'' امام احمد رحمہ اللہ نے مُضْطَرِبُ الْحَدِيْثِ اور امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے لَيْسَ بِذَاكَ کہا ہے۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: «رَدِيْءُ الْحِفْظِ كَثِيْرُ الْوَهْمِ» امام شعبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «مَارَأَيْتُ أَسْوَأَ مِنْ حِفْظِهٖ» اس سے کمزور حافظے والا میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے کہا ہے: «كَانَ رَدِيْءُ الْحِفْظِ فَاحِشُ الْخَطَأُ فَكَثُرَتِ الْمَنَاكِيْرُ فِيْ حَدِيْثِهٖ» اس کا حافظہ ردی، بہت زیادہ خطا کرنے والا، اس کی زیادہ احادیث منکر ہیں۔ امام علی بن مدینی رحمہ اللہ، امام ابو حاتم رحمہ اللہ، امام الساجی رحمہ اللہ وغیرہ نے بھی اس پر سوءِ حفظ کی بنا پر جرح کی ہے۔[1] بلکہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ابن ابی لیلیٰ صدوق ہے اور اس کی صحیح حدیث کی ضعیف سے تمیز نہیں انھوں نے اس کی حدیث کو بہت ضعیف قرار دیا۔ ان کے الفاظ ہیں:

«صَدُوْقٌ إِلَّا أَنَّهٗ لَا يُدْرٰى صَحِيْحُ حَدِيْثِهٖ مِنْ سَقِيْمِهٖ وَضُعِّفَ حَدِيْثُهٗ جِدّاً»[2]

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے: «صَدُوْقٌ سَيِّئُ الْحِفْظِ جِدّاً»[3] اس لیے جب اس قصہ کا راوی ابن ابی لیلیٰ ہی رَدِيْءُ الْحِفْظِ ہے تو اس کی سند کو ''قوی'' کہنا کیوں کر درست ہو سکتا ہے؟ یہاں تک لکھ چکا تھا کہ شیخ سلیم الھلالی اور شیخ محمد بن موسیٰ رحمہ اللہ کی کتاب الْاِسْتِيْعَابُ فِيْ بَيَانِ سَبَبِ الْاِخْتِلَافِ کو دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ انھوں نے بھی اس روایت کو بلکہ اس موضوع کی دیگر سب روایات کو ضعیف قرار دیا ہے۔[4]

مزید براں علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اس کے برعکس یہ قول بھی ذکر کیا ہے کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ولید رضی اللہ عنہ کے باپ عقبہ بن ابی مُعَیط کے بارے میں نازل ہوئی ہے، چنانچہ ان

---

[1] میزان: 114/3، تھذیب: 303,302/9۔ [2] العلل الکبیر: 973/2۔ [3] تقریب: 308۔
[4] الاستیعاب: 74,73/3۔

کے الفاظ ہیں: «وَذَكَرَ الزَّجَّاجُ وَالنَّحَّاسُ أَنَّهَا نَزَلَتْ فِيْ عَلِيٍّ وَعُقْبَةَ بِنْ أَبِي مُعَيْطٍ»[1]

بلکہ اس قول کے ساتھ ہی انھوں نے علامہ ابن عطیہ رحمہ اللہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ "اس قول کی بنا پر یہ آیت بھی مکی ہے۔" علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے بھی خطیب بغدادی، ابن مردویہ اور ابن عساکر کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس آیت کا مصداق حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہ ہیں۔[2] یہ روایت بھی بلاشبہ ضعیف ہے مگر ہمارا مقصد صرف اتنا تھا کہ سابقہ قول کے مقابلے میں ایک اور قول بھی منقول ہے بلکہ قرآنِ مجید کے سیاق کو دیکھا جائے تو یہی دوسرا قول قرینِ انصاف معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس آیتِ مبارکہ میں فرمایا گیا ہے: کہ مومن اور فاسق یکساں نہیں۔ اس کے بعد مومنوں کے لیے جنت کی بشارت اور فاسقوں کے لیے جہنم کی وعید بیان ہوئی ہے۔ جس میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ وہ فسّاق جہنم سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو انھیں جہنم میں لوٹا دیا جائے گا اور انھیں کہا جائے گا کہ آگ کی یہ سزا تمھاری تکذیب کا نتیجہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں مکذبین سے مراد کفار ہیں اور فاسقین سے مراد بھی وہی ہیں۔ اور اس کا مصداق عقبہ بن ابی معیط تو ہے حضرت ولید رضی اللہ عنہ نہیں اس کا مصداق یقیناً علامہ الوزیر رحمہ اللہ بھی حضرت ولید رضی اللہ عنہ کو قرار نہیں دیں گے۔ کیونکہ وہ بھی ان کے صحابی ہونے کا انکار نہیں کرتے وہ گناہ گار سہی لیکن ان آیات میں فاسقین کی جو سزا بیان ہوئی ہے اس کے وہ بہر نوع مصداق نہیں ہیں۔

رہی سورۃ الحجرات کی آیت جس کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ اس کا بھی شانِ نزول ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ ہیں، جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی المصطلق سے صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا لیکن انھوں نے وہاں جائے بغیر آکر یہ اطلاع دی کہ انھوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے، اس پر آپ نے بنی المصطلق کے خلاف کارروائی کرنے کا ارادہ کیا، ادھر قبیلے کے لوگوں کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے حاضرِ خدمت ہو کر صورتِ حال سے آگاہ کیا:

---

[1] تفسیر القرطبی: 105/4. [2] الدرالمنثور: 178/5.

کہ ہمارے پاس تو کوئی آیا ہی نہیں ،اس پسِ منظر میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر تمھارے پاس کوئی فاسق آ کر خبر دے تو تحقیق کر لیا کرو۔ یہ واقعہ گو مختلف اسانید سے منقول ہے مگر ان میں کوئی بھی قابل استناد نہیں ہے، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے جس کی سند کو سب سے حسن قرار دیا ہے وہ مسند احمد وغیرہ میں حضرت حارث رضی اللہ عنہ بن ضرار سے مروی ہے۔[1] علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے بھی اس کی سند کو جید اور اس کے راویوں کو ثقہ قرار دیا ہے۔[2] مگر امرِ واقع یہ ہے کہ اس کی سند میں دینار جو الحارث رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور عیسیٰ کے باپ ہیں ۔ انھیں سوائے امام ابن حبان رحمہ اللہ کے کسی نے ثقہ نہیں کہا اور ان سے سوائے ان کے بیٹے عیسیٰ کے کوئی روایت نہیں کرتا۔[3] حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے میزان[4] میں اسے ذکر کیا اور اس کے بارے میں کوئی تعدیل یا جرح ذکر نہیں کی، بس اتنا فرمایا ہے کہ اس سے صرف اس کا بیٹا روایت کرتا ہے، ایسے راوی کو تنہا امام ابن حبان رحمہ اللہ کا ثقات میں ذکر کرنا قابل اعتبار نہیں، جس کی تفصیل لسان المیزان[5] وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب[6] میں اسے ''مقبول'' کہا ہے اور ایسے راوی کی روایت خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک متابعت کے بغیر قابل قبول نہیں ہوتی،جیسا کہ مقدمہ تقریب میں انھوں نے وضاحت کر دی ہے، یہی وجہ ہے کہ الاستیعاب کے مصنفین نے بھی اسے ضعیف ہی قرار دیا ہے۔[7] الاستیعاب کے مصنفین نے اس حوالے کی دیگر روایات کو بھی ضعیف قرار دیا ہے، البتہ حضرت علقمہ بن ناجیہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ روایت جسے امام طبرانی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے اس کی سند کو انھوں نے حسن قرار دیا ہے[8] بلکہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے الصحیحہ (377) میں ذکر کیا ہے مگر ان کی یہ رائے محلِ نظر ہے کیونکہ اس کا مرکزی راوی یعقوب بن حمید بن کاسب متکلم فیہ ہے۔ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے یہ روایت نقل کرنے کے بعد کہا ہے: وَثَّقَهُ ابنُ

[1] تفسیر ابن کثیر: 666/4. [2] الدرالمنثور: 87/6، لباب النقول، ص: 197,196. [3] تهذیب: 217/3. [4] میزان الاعتدال: 31/2. [5] لسان المیزان: 14/1. [6] تقریب، ص: 98. [7] الاستیعاب: 272,271/3. [8] الاستیعاب: 275,274/3.

حِبَّانَ وَضَعَّفَهُ الْجَمْهُوْرُ. کہ ابن حبان رحمہ اللہ نے اس کی توثیق کی ہے مگر جمہور نے اسے ضعیف کہا ہے۔[1] عباس دوری فرماتے ہیں کہ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے اسے لَيْسَ بِشَيْءٍ کہا ہے ایک اور مقام پر لَيْسَ بِثِقَةٍ کہا ہے، امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے امام ابوزرعہ رحمہ اللہ سے کہا: کہ یعقوب بن حمید ثقہ ہے؟ تو انھوں نے سر ہلا دیا، میں نے کہا حدیث میں صدوق ہے؟ تو انھوں نے فرمایا اس کی کچھ شرطیں ہیں، نیز یہ بھی فرمایا کہ میرا دل اس پر مطمئن نہیں ہے۔ امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے بھی ''ضعیف الحدیث'' کہا ہے، امام نسائی رحمہ اللہ نے کہا ہے: لَيْسَ بِشَيْءٍ، لَيْسَ بِثِقَةٍ، امام عقیلی رحمہ اللہ نے بھی اسے ضعفاء میں ذکر کیا ہے بلکہ امام ابوداود سجستانی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ ہم نے اس کی سند سے کئی احادیث منکر دیکھیں تو ہم نے ان سے ان کے اصول کا مطالبہ کیا تو انھوں نے اس سے انکار کر دیا، کچھ دیر بعد وہ اصول لائے تو ہم نے ان میں بہت سی احادیث ایسی دیکھیں جو مرسل تھیں اور جدید خط سے انھیں مسند بنایا ہوا تھا اور اس میں اضافہ بھی تھا۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے صاحب مناکیر وغرائب کہا ہے اور میزان الاعتدال کے علاوہ المغنی[2] اور دیوان الضعفاء[3] میں بھی اس کا ذکر کیا ہے بلکہ المغنی میں امام یحییٰ، نسائی اور ابو حاتم رحمہ اللہ کی جرح نقل کر کے کہا ہے: وَقَالَ غَيْرُهُ لَيْسَ بِحُجَّةٍ اور دیوان میں امام ابو حاتم رحمہ اللہ کی جرح ذکر کی ہے۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یعقوب پر کسی دلیل کی بنا پر کلام نہیں۔

مگر علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے وہاں پر تعاقب کر کے لکھا ہے: ضَعَّفَهُ غَيْرُ وَاحِدٍ.[4] ایک اور مقام پر امام حاکم رحمہ اللہ نے اس کی بیان کردہ روایت کو صحیح الاسناد کہا مگر علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے وہاں بھی تعاقب کیا کہ يَعْقُوْبُ ضَعِيْفٌ.[5] امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: «لَمْ نَرَ إِلَّا خَيْرًا هُوَ فِي الْأَصْلِ صَدُوْقٌ» مگر امام صاحب کی تاریخ الاوسط کے راوی امام ابو محمد عبد اللہ بن احمد الخفاف رحمہ اللہ یہ قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: «قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ

---

[1] مجمع الزوائد: 110/7. [2] المغنی: 258/2. [3] دیوان الضعفاء، ص: 345. [4] تلخیص المستدرك: 280/2. [5] تلخیص المستدرك: 196/3.

يَحْيَىٰ لَيْسَ بِصَدُوْقٍ فِي الْأَصْلِ» ''کہ محمد بن یحییٰ الذہلی رحمہ اللہ نے کہا ہے وہ دراصل صدوق نہیں ہے۔''[1] بلاشبہ مسلمہ بن قاسم، مصعب الزبیری، حاکم، ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے ثقہ، ابن عدی نے لَابَأْسَ بِهٖ کہا ہے۔[2] مگر کبار اور جمہور ائمہ جرح وتعدیل نے اس کی تضعیف کی ہے حتی کہ امام یحییٰ رحمہ اللہ اور نسائی رحمہ اللہ کی اس پر شدید ترین جرح ہے بلکہ امام ابوداود رحمہ اللہ کا اس کے اصول پر تبصرہ اس پر مستزاد ہے۔ ان کی سند کے بارے میں اسی سے ملتی جلتی رائے امام ابن عدی رحمہ اللہ کی بھی ہے کہ اس میں بہت سی غرائب، عزیز، روایات ہیں اور اس میں تبدیلی بھی پائی جاتی ہے، اس لیے یعقوب بن حمید کی یہ روایت، جس میں وہ منفرد ہے اس قابل نہیں کہ اس سے استدلال کیا جائے، امام حاکم رحمہ اللہ کی تصحیح پر علامہ ذہبی رحمہ اللہ کے تعاقب سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی ان روایات پر عدمِ اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ فرماتے ہیں: «ذَكَرَ ذٰلِكَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِّنَ الْمُفَسِّرِيْنَ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِصِحَّةِ ذٰلِكَ»

''کہ یہ قصہ تو بہت سے مفسرین نے ذکر کیا ہے مگر اللہ تعالیٰ ہی کو اس کی صحت کا علم ہے۔''[3]

ممکن ہے کہ یہ کہا جائے: کہ تہذیب میں امام ابو احمد الحاکم رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ یعقوب بن حمید صحیح بخاری کا راوی ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے: کہ ابو اسحاق الحمال رحمہ اللہ اور ابن مندہ رحمہ اللہ نے بھی یہی کہا ہے، اس لیے وہ ضعیف کیونکر ہوسکتا ہے؟ مگر صحیح یہ ہے کہ ابن حمید صحیح بخاری کا قطعاً راوی نہیں خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری[4] میں اس پر تفصیلاً بحث کی ہے کہ صحیح بخاری کا راوی یا تو یعقوب بن محمد الزہری ہے یا یعقوب بن ابراہیم الدورقی ہے اور یہی دوسرا قول زیادہ راجح ہے اور امام البرقانی رحمہ اللہ سے نقل کیا

---

[1] التاريخ الاوسط برواية الخفاف: 263/2. تاریخ الاوسط کی ایک دوسری روایت کے حاشیہ رقم: 1667 میں بھی یہ الفاظ مذکور ہیں۔ مزید دیکھیے: التذييل على كتاب تهذيب التهذيب، ص: 477.

[2] تہذیب: 384,383/11، میزان: 450/4، الثقات لابن حبان: 285/9 وغیرہ۔ [3] البداية: 214/8.

[4] فتح الباری: 301/5، 308/7، حدیث: 2697، 3988.

ہے ابن حمید شرطِ بخاری پر نہیں ہے، اس لیے ابن حمید کی توثیق کا یہ سہارا ابھی درست نہیں ہے، پھر اگر اس موضوع کی مجموعہ روایات کے تناظر میں یہ تسلیم بھی کیا جائے کہ اس کا شانِ نزول ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ تھے تو انھیں روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ولید رضی اللہ عنہ جب گئے اور بنو المصطلق کے افراد نے ان کا استقبال کیا، انھوں نے غلط فہمی میں یہ سمجھا کہ وہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں، اسی پر وہ بھاگ نکلے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی شکایت کر دی بلکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ «فَحَدَّثَهُ الشَّيْطَانُ أَنَّهُمْ يُرِيْدُوْنَ قَتْلَهُ» ''کہ شیطان نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ انھیں قتل کرنا چاہتے ہیں۔'' حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے:

«فَخَرَجُوْا يَتَلَقَّوْنَهُ فَظَنَّ أَنَّهُمْ إِنَّمَا خَرَجُوْا لِقِتَالِهِ فَرَجَعَ»

''وہ ولید رضی اللہ عنہ کے استقبال کے لیے نکلے تو انھوں نے خیال کیا کہ وہ ان کے قتل کے لیے آرہے ہیں یوں وہ واپس پلٹ آئے۔''[1]

اس لیے حضرت ولید رضی اللہ عنہ سے جو ہوا غلط فہمی میں ہوا، لہٰذا اس بنا پر ان کے فاسق ہو جانے اور ان کی عدالت کے ختم ہو جانے کا حکم لگانا سراسر تحکم اور سینہ زوری ہے۔

اگر ولید رضی اللہ عنہ واقعتاً ایسے ویسے ہوتے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ قضاعہ قبیلے کے صدقات وصول کرنے پر مامور نہ کرتے اور جہادی محاذ پر بھی ان پر اعتماد نہ کرتے۔ اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے مردم شناس انھیں بنو تغلب سے صدقات وصول کرنے کے لیے مقرر نہ کرتے۔ جیسا کہ علامہ طبری رحمہ اللہ اور علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے اپنے روایتی اسلوب میں ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بہت کچھ نقل کیا ہے اور وہی اس حوالے سے علامہ ابن الوزیر کا بڑا مأخذ ہے، علامہ المزی رحمہ اللہ نے بھی تہذیب الکمال میں علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ سے بہت کچھ نقل کر دیا مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

---

[1] البداية: 214/8.

«قَدْ طَوَّلَ الشَّيْخُ تَرْجَمَتَهُ وَلَا طَائِلَ فِيْهَا مِنْ كِتَابِ ابْنِ عَبْدِ الْبَرِّ وَفِيْهَا خَطَأٌ وَشَنَاعَةٌ وَالرَّجُلُ فَقَدْ ثَبَتَ صُحْبَتُهُ وَلَهُ ذُنُوْبٌ أَمْرُهَا إِلَى اللّٰهِ وَالصَّوَابُ السُّكُوْتُ وَاللّٰهُ تَعَالٰى أَعْلَمُ»

''اور شیخ المزی رحمہ اللہ نے ولید رضی اللہ عنہ کا طویل ترجمہ ابن عبد البر رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اس میں خطا اور شناعت ہے اور ولید رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا ثابت ہے ان سے گناہ سرزد ہوئے جن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، درست یہی ہے ان کے بارے میں خاموشی اختیار کی جائے۔''[1]

یہی بات علامہ سخاوی رحمہ اللہ کے حوالے سے ہم پہلے نقل کر آئے ہیں، بلاشبہ تمام انسانوں کے معاملات اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی کے سپرد ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں «وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى» فرمایا ہے اور اللہ کا وعدہ بہرحال سچا ہے۔

بُسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ

رہا معاملہ بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ کا تو ان کے بارے میں ائمۂ کرام کی دو آرا ہیں۔

① وہ صحابی نہیں ہیں۔ یہ رائے امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ، امام ابن عدی رحمہ اللہ اور واقدی کی ہے۔ اہل مدینہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع ثابت نہیں۔ نیز امام ابن معین رحمہ اللہ نے کہا کہ بُسر اچھا آدمی نہ تھا۔

② جبکہ اہل شام کہتے تھے کہ وہ صحابی ہیں یہی رائے امام مسلم، امام دارقطنی اور ابن یونس رحمہم اللہ کی ہے بلکہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: «لَهُ صُحْبَةٌ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ اِسْتِقَامَةٌ بَعْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم»۔ کہ وہ صحابی ہیں مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انھیں استقامت حاصل نہیں رہی مگر امام دارقطنی رحمہ اللہ کا یہ قول صرف ابو عبد الرحمٰن السلمی نے ذکر کیا ہے جبکہ السلمی خود ضعیف ہے۔

[1] التھذیب: 11/144.

صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ صحابی ہیں۔ ترمذی، ابوداود، نسائی اور مسند امام احمد وغیرہ میں اس کی دو احادیث مرفوعاً مروی ہیں۔

① لَا تُقْطَعُ الْأَيْدِيْ فِي السَّفَرِ.

② اَللّٰهُمَّ أَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْأُمُوْرِ كُلِّهَا.

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی انھیں الإصابة کی القسم الأول میں شمار کر کے ان کے صحابی ہونے کا موقف اپنایا ہے، یہی رائے علامہ ابن ماکولا، امام ابوحاتم، امام ترمذی، امام ابن حبان، امام احمد العسکری، امام بغوی، ابونعیم، عبدالباقی بن قانع، ابو العرب، البرقی، ابن اثیر اور حافظ ذہبی رحمہم اللہ کی ہے۔

بُسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہمنوا تھے اور صفین میں ان کے طرف دار تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی نے انھیں مدینہ طیبہ بھیجا وہاں ان کے ہاتھوں بہت سے مسلمان شہید ہوئے اور وہ اس وقت بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے کہ وہ بڑے سخی بزرگ تھے، کل تک یہاں کے فرماں روا تھے، اہل مدینہ کے بارے میں ان کی یہ سخت گیری بھی اسی تناظر میں تھی کہ انھوں نے ان کا دفاع نہیں کیا، ان کے ہاتھوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بہت سے ہمنوا بھی شہید ہوئے۔ انھی واقعات کے تناظر میں ان پر تنقید کی گئی ہے مگر امر واقع یہ ہے اولاً تو ان میں سے اکثر واقعات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتے علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ 40ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں:

«وَيُقَالُ إِنَّ بُسْراً قَتَلَ خَلْقاً مِّنْ شِيْعَةِ عَلِيٍّ فِيْ مَسِيْرِهٖ هٰذَا، وَهٰذَا الْخَبَرُ مَشْهُوْرٌ عِنْدَ أَصْحَابِ الْمَغَازِيْ وَالسِّيَرِ وَفِيْ صِحَّتِهٖ عِنْدِيْ نَظَرٌ»

”کہا جاتا ہے کہ بسر بن ارطاۃ نے اسی سفر کے دوران میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بہت سے ہمنواؤں کو قتل کیا یہ خبر اصحاب المغازی والسیر کے ہاں مشہور ہے مگر میرے

نزدیک اس کی صحت میں نظر ہے۔''[1]

ثانیاً: بشرطِ صحت یہ سب واقعات بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین اختلافات ومشاجرات کے تناظر میں ہیں۔ بسر رضی اللہ عنہ کے انھی واقعات کے ضمن میں مذکور ہے، کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بسر رضی اللہ عنہ کے تعاقب میں حضرت جاریہ بن قدامہ السعدی رضی اللہ عنہ کو بھیجا وہ جسے دیکھتے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہمنوا ہے، اسے قتل کر دیتے اور اسے جلا دیتے حتی کہ یہ کارروائی کرتے ہوئے مدینہ طیبہ پہنچے۔ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ ان ایام میں نماز پڑھاتے تھے، وہ جاریہ رضی اللہ عنہ کے جوروظلم سے ڈر کر مدینہ طیبہ سے باہر چلے گئے تو جاریہ رضی اللہ عنہ نے کہا: «وَاللّٰهِ لَوْأَخَذْتُ أَبَا السَّنَّوْرِ لَضَرَبْتُ عُنُقَهٗ» اللہ کی قسم اگر میں ابوسنّور یعنی حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کو پالیتا تو اس کی گردن اڑا دیتا۔ جب وہ مدینہ طیبہ سے نکل گیا تو حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ واپس آگئے اور نماز پڑھانے لگے۔[2] ان کے اسی اقدام پر اہل عرب انھیں جاریۃ بن قدامۃ محرقا کہتے تھے۔ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت جاریہ رضی اللہ عنہ کے ان اقدامات کا کوئی ایکشن لیا؟

یہ جاریہ بن قدامہ بھی صحابی ہیں اور وہ صحابی ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا مجھے مختصر طور پر وصیت کیجیے جس سے مجھے فائدہ پہنچے آپ نے ارشاد فرمایا: «لَاتَغْضَبْ» غصہ میں نہ آؤ۔

اب یہ کتنی ستم ظریفی ہے کہ حضرت بسر رضی اللہ عنہ کو تو ایسے اقدامات پر ساقط العدالت قرار دیا جائے اور اس سے باز پرس نہ کرنے پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کیا جائے مگر حضرت جاریہ بن قدامہ رضی اللہ عنہ کے ایسے ہی اقدامات سے صرف نظر کر لیا جائے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت پر بحث کے ضمن میں لکھتے ہیں:

وَلِهٰذَا كَانَ الصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ بِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحَدِيْثِ وَالْفِقْهِ حَتّٰى الَّذِيْنَ كَانُوْا يَنْفِرُوْنَ عَنْ مُّعَاوِيَةَ رضی اللہ عنہ إِذَاحَدَّثَهُمْ عَلٰى مِنْبَرِ

---

[1] البداية: 323/7. [2] البداية: 322/7.

الْمَدِيْنَةِ يَقُوْلُوْنَ: وَكَانَ لَا يُتَّهَمُ فِي الْحَدِيْثِ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى بُسْرِبْنِ أَبِيْ أَرْطَاةَ مَعَ مَاعُرِفَ مِنْهُ رَوَىٰ حَدِيْثَيْنِ رَوَاهُمَا أَبُوْدَاوُدَ وَغَيْرُهُ لِأَنَّهُمْ مَعْرُوْفُوْنَ بِالصِّدْقِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ حِفْظاً مِّنَ اللّٰهِ لِهٰذَا الدِّيْنِ ، وَلَمْ يَتَعَمَّدْ وَاحِدٌ الْكَذِبَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ إِلَّا هَتَكَ اللّٰهُ سَتْرَهُ وَكَشَفَ أَمْرَهُ»

''اور اس لیے حدیث اور فقہ کا علم رکھنے والوں کے ہاں اتفاق ہے کہ تمام صحابہ ثقہ ہیں، حتی کہ جو معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں چھان بین کرتے تھے جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ منبرِ مدینہ طیبہ پر حدیث بیان کرتے تھے تو وہ کہتے معاویہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرنے میں متھم نہیں ہیں، حتی کہ بسر بن ابی ارطاۃ، باوجودیکہ ان کے بارے میں جو معروف ہے کہ دو حدیثیں روایت کرتے ہیں جنھیں ابوداود وغیرہ نے روایت کیا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس دین کی حفاظت کی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سچائی کے ساتھ معروف تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ نہیں بولا ورنہ اللہ تعالیٰ ان کا پردہ چاک کر دیتے اور ان کا معاملہ واضح کر دیتے۔''[1]

شیخ الاسلام نے بُسر بن اَبی ارطاۃ رضی اللہ عنہ کہا ہے مگر بعض نے بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ کہا ہے۔ اور جن دو احادیث کی طرف اشارہ انھوں نے کیا ان میں سے ایک لَا تُقْطَعُ الْأَيْدِيْ فِي السَّفَرِ [2] اور دوسری یہ دعا ہے: اَللّٰهُمَّ أَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْأُمُوْرِ كُلِّهَا [3] . الحدیث

[1] منهاج السنة: 229/1. [2] ابو داود: 4408، ترمذی: 1450، العلل الكبير للترمذي، ص: 423، نسائی: 4979، مسند أحمد: 17777,17776، طبرانی: 1195، طبرانی الأوسط: 8946، سنن دارمی: 321/2، المعجم للبغوی: 3229، السنن الكبرى للبيهقی: 104/9، المعجم لابن قانع، ص: 141,140، المعرفة لأبی نعيم: 1227وغيره. [3] مسند امام احمد: 17778، ابن حبان، موارد الظمأن: 2424، الطبرانی: 1191-1198، التاريخ الكبير: 30/1، 123/2، التاريخ الصغير: 316/1، للامام البخاري، المعرفة لابی نعيم: 1229,1228، المعجم لابن قانع، ص: 139، الكامل لابن عدی: 438/2، الدعوات الكبير للبيهقی، ص: 238، تاريخ بغداد: 237/14 ابوداود میں یہ روایت نہیں ہے۔

انصاف شرط ہے کہ اگر بسر بن ارطاۃ فاسق اور ساقط العدالت تھے جیسا کہ علامہ ابن الوزیر رحمہ اللہ کا خیال ہے تو کیا یہ تمام ائمۂ محدثین اپنی تصانیف میں اس کی روایت ذکر کرتے؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: «وَلَهُ أَخْبَارٌ شَهِيْرَةٌ فِي الْفِتَنِ لَا يَنْبَغِي التَّشَاغُلُ بِهَا»

''دورِ فتن میں ان کی خبریں مشہور ہیں جنھیں ذکر کرنا مناسب نہیں۔''[1]

یہ وہی بات ہے جس کی طرف ابھی ہم اشارہ کر آئے ہیں کہ حضرت بسر رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے اور اس کے بعد کے اقدامات کو بھی وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دفاع میں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہمنوائی میں سمجھتے تھے۔ اور ان کے ان باہمی نزاعات و مشاجرات کے بارے میں سلف کے موقف کی مختصراً وضاحت ہم پہلے کر چکے ہیں مگر علامہ ابن الوزیر کا موقف سلف امت کے قطعاً برعکس ہے، چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

«وَاعْلَمْ أَنَّ الْمُحَدِّثِيْنَ مَاخَالَفُوْنَا فِيْ هٰذِهِ الْمَسْأَلَةِ إِلَّا فِيْ هٰذَا، وَأَنَّ مَذْهَبَنَا وَمَذْهَبَهُمْ فِيْ عَدَالَةِ الرُّوَاةِ وَاحِدٌإِلَّا قَدْرَ أَرْبَعَةٍ أَوْخَمْسَةٍ أَوْقَرِيْبٍ مِّنْ ذٰلِكَ قَدْ ذَكَرْتُهُمْ فِيْ هٰذَا الْكَلَامِ الْمُقَدَّمِ»

''خوب جان لو کہ محدثین سوائے اس مسئلہ کے اور کسی مسئلہ میں ہمارے مخالف نہیں ہیں ہمارا اور ان کا راویوں کی عدالت کے بارے میں مذہب ایک ہے سوائے چار یا پانچ یا اس کے قریب اور راویوں کے، جن کا ذکر میں نے پہلے کلام میں کیا ہے۔''[2]

اس لیے علامہ ابن الوزیر رحمہ اللہ نے اگر یہ موقف اختیار کیا تو یہ بہر حال سلف کے مخالف ہے اور اس حوالے سے ان کا بڑا سہارا علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ کی الاستیعاب ہے مگر خود علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ کے اس اسلوب پر اہل علم نے نکیر کی ہے بلکہ اسے ان کی اس کتاب کے عیوب اور کمزوریوں میں شمار کیا ہے، چنانچہ ساتویں صدی ہجری کے معروف محدث امام

---

① الاصابة: 153/1. ② العواصم: 658/1.

ابوعمرو عثمان بن عبد الرحمٰن ابن الصلاح رحمہ اللہ اپنی اصول حدیث کی مشہور کتاب ''علوم الحدیث'' میں 39 ویں نوع: معرفۃ الصحابہ میں رقم طراز ہیں:

«وَمِنْ أَجَلِّهَا وَأَكْثَرِهَا فَوَائِدَ كِتَابُ الْاِسْتِيْعَابِ لِابْنِ عَبْدِ الْبَرِّ، لَوْلَا مَا شَأْنُهُ بِهِ مِنْ إِيْرَادِهِ كَثِيْرًا مِّمَّا شَجَرَ بَيْنَ الصَّحَابَةِ وَحِكَايَاتِهِ عَنِ الْأَخْبَارِيِّيْنَ لَاالْمُحَدِّثِيْنَ، وَغَالَبَ عَلَى الْأَخْبَارِيِّيْنَ الْإِكْثَارُ وَالتَّخْلِيْطُ فِيْمَا يَرْوُوْنَهٗ»

''معرفۃ الصحابہ کے عنوان پر بہت سی کتابیں ہیں، ان میں سب سے زیادہ جلیل القدر اور باکثرت فوائد کے اعتبار سے ابن عبد البر رحمہ اللہ کی کتاب الاستیعاب ہے اگر اس میں صحابہ کے باہمی مشاجرات اور ان کی حکایات کی بھر مار نہ ہوتی جن کو محدثین کی بجائے اخباریین نے بیان کیا ہے۔ کیونکہ مؤرخین کا غالب رجحان بلا امتیاز باکثرت واقعات اور خلط ملط روایات جمع کرنا ہوتا ہے۔''[1]

یہی بات علامہ نووی رحمہ اللہ نے التقریب اور اس کی شرح تدریب الراوی[2] میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے کہی ہے۔ تقریب کے علاوہ یہی بات علامہ نووی رحمہ اللہ نے ارشاد طلاب الحقائق[3] میں بھی فرمائی ہے اور یہی بات علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے فتح المغیث[4] میں کہی ہے۔ محدثین عظام نے کتب احادیث میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مناقب بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے مثالب کا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام امہات الکتب میں کتاب المناقب ہی ہے مثالب کا کہیں دور دور بھی تصور نہیں اور جس کسی نے بالفرض ایسی جسارت کی ہے تو اسے قطعاً محمود نہیں سمجھا گیا۔ امام احمد رحمہ اللہ کا بیان ہے ابوعوانہ وضاح بن عبد اللہ یشکری نے معایب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب لکھی، سلام بن اَبی مطیع ان کے پاس آئے وہ کتاب طلب کی، انھوں نے کتاب دے دی تو سلام نے اسے جلا دیا، امام احمد رحمہ اللہ سے اس بارے میں کہا

[1] علوم الحدیث، ص: 262. [2] تدریب الراوی: 207/2. [3] ارشاد الطلاب: 584/2. [4] فتح المغیث: 75/4.

گیا کہ امید ہے ان شاء اللہ سلام کا یہ اقدام کسی نقصان کا باعث نہیں ہو گا، امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: نقصان نہیں دے گا؟ بلکہ ان شاء اللہ اس پر انھیں اجر بھی ملے گا۔[1]

امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص ایسی حدیث بیان کرتا ہے جس میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر حرف آتا ہے اور کہتا ہے (میرا کیا قصور) میں نے جیسے سنی ویسے ہی بیان کر دی ہے امام صاحب نے فرمایا: مجھے پسند نہیں کہ صحابہ کے بارے میں ایسی حدیث بیان کرو جس میں ان پر کوئی حرف آتا ہو۔[2] جس سے علامہ ابن الصلاح رحمہ اللہ وغیرہ کی تائید ہوتی ہے۔

غور فرمائیے کہ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ ہوں یا علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ، انھوں نے اپنی تاریخ کی کتاب میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاجرات اور دیگر ایسے ہی واقعات نقل کیے ہیں مگر آج تک ان پر ایسا اعتراض نہیں ہوا جیسا علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ پر کیا گیا ہے، اس لیے کہ ان کی الاستیعاب تاریخ کی نہیں بلکہ ''معرفۃ الاصحاب'' پر مشتمل کتاب ہے۔ ''معرفت صحابہ'' حدیث کا حصہ ہے اور محدثین نے اس پر کتابیں لکھی ہیں جن میں مثالب نہیں مناقب کا ذکر ہے۔ علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ بھی اگر تاریخ لکھتے تو شاید ان پر بھی یہ اعتراض نہ ہوتا، اس لیے علامہ ابن الوزیر رحمہ اللہ کے حوالے سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کا جو سہارا ڈھونڈا گیا ہے وہ بہر حال محلِ نظر ہے، جب علامہ ابن الوزیر رحمہ اللہ نے خود اقرار کیا ہے کہ تمام صحابہ کی عدالت کے بارے میں ہمارا محدثین سے اختلاف ہے تو اس کے بعد ان کی ہمنوائی ائمۂ سلف کے عقیدہ وعمل کے بالکل برعکس ہے۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی مناسب ہے کہ علامہ ابن الوزیر رحمہ اللہ نے العواصم و القواصم میں سید علی بن محمد بن ابی القاسم زیدی کے اعتراضات کا جواب دیا ہے، سید ابن ابی القاسم کے من جملہ اعتراضات میں سے ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ صحیحین میں ایسے راویوں کی کیا ایسے صحابہ کی روایات ہیں جو عادل نہیں اور محدثین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان سے کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہیں ہو سکتا۔ اس کے جواب میں علامہ ابن

---

[1] السنة للخلال: 511,510. [2] السنة للخلال: 502.

الوزیر رحمہ اللہ نے بڑی مفید باتیں کی ہیں مگر عدالت صحابہ کے بارے میں ان کا موقف قطعاً سلف کا موقف نہیں، جیسا کہ ابھی ہم وضاحت کر آئے ہیں، پھر ان کے جواب سے معذرت خواہانہ رمق واضح ہوتی ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی صداقت وعدالت کا دفاع کیا ہے اور ذکر کیا ہے کہ محدثین کے نزدیک ان صحابہ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تنازعات تاویل واجتہاد کی بنا پر تھے اور ان صحابہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کی مذمت اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل اور اپنے اقدامات کی تصویب میں کوئی روایت منقول نہیں ہے۔ اور ان سے اعیان صحابہ وتابعین نے روایت لی ہے۔ جو ان کی صداقت وعدالت کی بین دلیل ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ کہنا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کی کوئی ایسی روایت احکام سے متعلق نہیں جسے بیان کرنے میں وہ منفرد ہوں، پھر ان کے شواہد کی تفصیل محض معذرت خواہانہ کوشش ہے۔ جس سے وہ سید ابن ابی القاسم کی تشفی چاہتے ہیں مگر بحمد اللہ محدثین کو اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسی طرح امام نسائی رحمہ اللہ کے بارے میں العواصم [1] میں کہنا کہ انھیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بغض تھا اس کے باوجود السنن میں ان سے روایات لائے ہیں، امام نسائی رحمہ اللہ کے بارے میں ان کی رائے بھی قطعاً درست نہیں جیسا کہ آئندہ اس کی وضاحت آئے گی ان شاء اللہ۔ یہ اور اس نوعیت کی بعض دیگر باتوں سے بھی اتفاق مشکل ہے مگر یہاں اس تفصیل کی گنجائش نہیں۔ خلاصۂ کلام کہ علامہ ابن الوزیر رحمہ اللہ اور ان کی اتباع میں علامہ شوکانی رحمہ اللہ کا نیل الاوطار میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت کے حوالے سے موقف قطعاً درست نہیں کیونکہ خود علامہ ابن الوزیر رحمہ اللہ نے وضاحت کر دی ہے کہ میرا اس بارے میں محدثین کرام سے اختلاف ہے۔

③ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر روافض کا یہ اعتراض بھی معروف ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن میری امت کے افراد لائے جائیں گے دائیں بائیں سے انھیں پکڑا جائے گا میں کہوں گا

① العواصم: 1/626.

میرے اصحاب ہیں تو کہا جائے گا آپ کو کیا معلوم کہ آپ کے بعد انھوں نے کیا کیا، یہ اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ گئے تھے۔[1] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب صحابہ نے ایمان پر استقامت نہیں دکھائی۔

مگر یہ اعتراض بھی درست نہیں بلکہ صحابی کی تعریف کو پیشِ نظر نہ رکھنے کا نتیجہ ہے۔ صحابی کی تعریف یہ ہے کہ جس نے ایمان کی حالت میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی ہو اور اسلام پر فوت ہوا ہو۔[2] اور جو کوئی اسلام سے مرتد ہو گیا اسے صحابی شمار نہیں کیا۔ جیسے عبداللہ بن اخطل، جس کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ وہ اگر بیت اللہ کے غلاف کے نیچے بھی چھپا ہوا ہو تو اسے قتل کر دو، چنانچہ اسے اسی حالت میں قتل کر دیا گیا، یا جیسے عبید اللہ بن جحش جو حضرت ام حبیبہ کا خاوند تھا دونوں نے ہجرتِ حبشہ کی، حبشہ میں عبیداللہ عیسائی ہو گیا، یا جیسے ربیعہ بن امیہ بن خلف جو فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوا، حجۃ الوداع میں آپ ﷺ کے ساتھ حج کیا، آپ کے انتقال کے بعد عہدِ فاروقی میں مرتد ہو گیا۔

بعض وہ بھی تھے جو مرتد ہوئے مگر پھر اسلام میں پلٹ آئے وہ بھی صحابی شمار ہوتے ہیں جیسے اشعث بن قیس، قرۃ بن ھبیرۃ، عمرو بن معدی کرب وغیرہ۔ لہٰذا جب صحابی کی تعریف میں یہ بات شامل ہے کہ وہ اسلام پر فوت ہوا ہو تو اس روایت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان پر قائم نہ رہنے پر استدلال کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اسی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

«وَلَا شَكَّ أَنَّ مَنِ ارْتَدَّ سُلِبَ اسْمَ الصُّحْبَةِ، لِأَنَّهَا نِسْبَةٌ شَرِيفَةٌ إِسْلَامِيَّةٌ، فَلَا يَسْتَحِقُّهَا مَنِ ارْتَدَّ بعد أَنِ اتَّصَفَ بِهَا»

''اس میں کوئی شک نہیں کہ جو مرتد ہو گیا اس سے ''صحابی'' کا لقب سلب ہو گیا کیونکہ صحابی اسلام کی مہتم بالشان نسبت ہے، صحابی ہونے کے بعد جو اسلام سے

[1] صحيح البخاري: 3447، 2526، مسلم: 7201. [2] الاصابة: 8/1 وغيره.

مرتد ہوا وہ اس لقب کا مستحق نہیں۔"[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے استاد امام قبیصہ بن عقبہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کا مصداق مرتدین تھے۔[2] لہٰذا جو صحابہ ایمان پر قائم رہے اور اسی پر انھیں موت نصیب ہوئی وہ قطعاً اس کا مصداق نہیں ہیں۔ علامہ ابن الوزیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ "علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے بسر بن ارطاۃ کے ترجمہ میں یہی حدیث فَأَقُوْلُ أَصْحَابِیْ لاکر عدالت صحابہ کی تخصیص پر استدلال کیا ہے۔"[3] یہی بات انھوں نے تنقیح الأنظار میں بھی کہی ہے۔[4]

بلاشبہ علامہ ابنِ عبد البر رحمہ اللہ نے بسر بن ارطاۃ کے ترجمہ میں یہ حدیث ذکر کی ہے اور فرمایا ہے کہ اس موضوع کی تمام روایات التمہید میں بیان ہوئی ہیں۔[5] مگر قابل غور بات یہ ہے کہ اس سے ان کا مقصود بسر بن ارطاۃ کا ارتداد ہے؟ علامہ ابن الوزیر رحمہ اللہ ہی فرماتے ہیں:

وَقَدْ ذَكَرَ شُرَّاحُ الْحَدِيْثِ مِنْ أَهْلِ السُّنَّةِ فِیْ تَأْوِيْلِ هٰذَا الْحَدِيْثِ أَنَّ جَمَاعَةً مِّمَّنْ تُطْلَقُ عَلَيْهِمُ الصُّحْبَةُ اِرْتَدُّوْا عَنِ الْإِسْلَامِ»

"اہل سنت شراحِ حدیث نے اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت اسلام سے مرتد ہوگئی تھی۔"[6]

لہٰذا اگر حضرت بسر رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں یہ حدیث لانے سے علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ کی یہی مراد ہے تب بھی، یا اس سے مراد ان کا فسق اور ساقط العدالہ ہونا ہے تب بھی، قطعاً درست نہیں۔ کیونکہ حضرت بسر رضی اللہ عنہ کی اگر یہی پوزیشن ہوتی تو ان کی بیان کردہ دونوں احادیث کو ایک درجن سے زائد محدثین کتب احادیث میں قطعاً ذکر نہ کرتے۔ اور باقاعدہ باب باندھ کر ان کی حدیث سے استدلال واستنباط نہ کرتے بلکہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ امام اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ نے بسر کی حدیث کی بنا پر فرمایا ہے کہ دوران حرب سزا

---

[1] فتح الباری: 490/6. [2] بخاری: 3447. [3] العواصم: 657/1. [4] توضیح الافکار: 442/2.
[5] الاستیعاب: 245/1، التمہید: 290/2. [6] تنقیح مع توضیح: 442/2.

نافذ نہیں کی جائے گی، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین [1] میں یہی موقف امام احمد رحمہ اللہ، امام اوزاعی رحمہ اللہ وغیرہ کا ذکر کیا ہے بلکہ اس پر صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے اور حضرت بسر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے بلکہ بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ عمر بھر اکثر و بیشتر یہ دعا پڑھتے تھے: «اَللّٰهُمَّ أَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْأُمُوْرِ كُلِّهَاالخ» ''اے اللہ ہمارے تمام معاملات کا انجام بہتر بنا اور ہمیں دنیا و آخرت کی ندامت سے محفوظ فرما۔'' [2] انصاف شرط ہے کہ آخرت کا خوف رکھنے والے اور اس کی رسوائی سے بچنے کی ہمیشہ دعا کرنے والے کو مرتد قرار دیا جا سکتا ہے؟

ہم عرض کر چکے ہیں کہ بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ کی سخت گیری اور غارت گری کے حوالے سے واقعات صحیح نہیں، جیسا کہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے۔ ثانیاً: یہ سب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مابین ہونے والے مشاجرات کا ایک حصہ ہیں اور ان کے بارے میں سلف کے موقف کی بھی ہم وضاحت کر آئے ہیں، اس لیے بعض محدثین نے جو ان کے ان ہی اقدامات کے تناظر میں تبصرہ کیا ہے وہ محل نظر اور شاذ محض ہے، اس کے برعکس ایک درجن سے زائد محدثین ان کی روایات بیان کرتے اور ان روایات کی بنیاد پر ہی انھیں صحابی کہتے ہیں، اس لیے علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ اور ان کی اتباع میں علامہ ابن الوزیر رحمہ اللہ نے جو موقف اختیار کیا ہے اسے قطعاً درست قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔

④ بعض عاقبت نااندیش یہ بھی کہتے سنے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں سابقین اولین مہاجرین و انصار کی منقبت بیان فرمائی ہے وہاں منافقوں کا ذکر بھی کیا ہے اور فرمایا: ﴿لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ [3] ''آپ انھیں نہیں جانتے ہم انھیں جانتے ہیں۔'' اس لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والے مومنین ہی نہیں منافقین بھی تھے اور اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے کہ وہ کون کون تھے؟

---

① اعلام الموقعین: 13/3. ② صحیح ابن حبان. نیز دیکھیے الثقات لابن حبان: 36/3.
③ التوبة 101.

مگر یہ محض شیطانی وسوسہ ہے۔اولاً: تو یہی دیکھیے کہ مہاجرین اولین سابقین اور انصار اولین سابقین کا ذکر خیر کتب احادیث وسیر میں معروف ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے بعض کا نام بنام ذکر کر کے انھیں جنت کی بشارت دی ہے۔ تمام اہلِ بدر کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کا اعلان فرمایا ہے اور اصحاب الشجرہ کے بارے میں بھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان میں سے کوئی دوزخ میں نہیں جائے گا، ان نفوس قدسیہ کے بارے میں ایسی تمام بشارتوں کے باوصف کچھ خانہ خراب ان میں سے بعض پر معترض ہیں تو دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی ان سے خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی ہے۔

ثانیاً: منافقین کے بارے میں بالآخر رسول اللہ ﷺ کو آگاہ کر دیا گیا تھا بلکہ ایک روایت کے مطابق تو آپ نے برسرِ منبر ان کا نام لے لے کر مسجد سے نکل جانے کا حکم فرمایا تھا۔ حذیفہ بن یمان جن کا لقب تھا ''صاحب سِرّ النبی ﷺ'' یعنی نبی ﷺ کے راز دان، رسول اللہ ﷺ نے انھیں منافقین کے نام بتلائے تھے، جب کوئی فوت ہو جاتا اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر میں مشتبہ ہوتا تو اس کے جنازہ کے لیے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تھے کہ وہ جنازہ کے لیے آئے ہیں یا نہیں، وہ اگر جنازہ پڑھتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی جنازہ پڑھ لیتے ورنہ پلٹ جاتے۔[1] حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے بتلایا کہ میرے ساتھیوں میں بارہ منافق ہیں جو جنت کیا اس کی خوشبو بھی نہیں پائیں گے تا آنکہ سوئی کے ناکے سے اونٹ گزر جائے ان میں سے آٹھ کے لیے ''دبیلہ'' کافی ہے یہ آگ کا شعلہ ہے جو ان کے کاندھے پر لگے گا تو سینے تک جا پہنچے گا (اندرونی بیماریوں اور دملوں سے مریں گے) اور باقی اپنی موت مریں گے۔[2]

جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ منافقین کے بارے میں بالآخر رسول اللہ ﷺ کو خبردار کر دیا گیا تھا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ انھیں جانتے اور پہچانتے تھے اور ان میں سے اکثر وبیشتر تو رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہی میں اپنے انجام کو پہنچ

[1] ابن عساکر وغیرہ. [2] مسلم: 2779.

گئے تھے حتی کہ علامہ ابن الوزیر رحمہ اللہ نے تو کہا ہے کہ ہم کسی منافق کو نہیں جانتے کہ وہ عامِ اوطاس (غزوۂ حنین اور اوطاس) کے بعد بھی اسلام پر قائم رہا ہو۔ کیونکہ منافق کا نفاق تب رونما ہوتا ہے جب اسلام کے ماننے والوں میں قوت واقتدار نہ آیا ہو۔[1] نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کوئی اہمیت دی، نہ ہی خلفائے راشدین میں سے کسی نے کسی منافق کو عامل یا امیر مقرر کیا۔ مگر یہ کیا ستم ظریفی ہے کہ منافقین کے اسی تناظر میں ان پاک باز ہستیوں میں بھی نفاق ڈھونڈا جاتا ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لے لے کر جنتی قرار دیا ہے، یہ حضرات دراصل بغضِ صحابہ کے نتیجہ میں خود اس بیماری میں مبتلا ہیں، اس لیے اَلْمَرْءُ يَقِيْسُ عَلٰى نَفْسِهٖ کے عربی محاورہ کے مطابق یہ صحابہ کو بھی اپنے جیسا باور کرانے کے درپے ہیں۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ.

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں، ان کے اعداء کے بیان کردہ مطاعن کی فہرست طویل ہے مگر یہاں ان تمام پر بحث تطویل کا باعث ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے منہاج السنہ میں، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے تحفہ اثنا عشریہ میں اور قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ پانی پتی نے السیف المسلول میں ان تمام کا جواب دیا ہے، اس موضوع پر اور بھی بعض بڑی نفیس کتابیں ہیں مگر مذکورہ الصدر کتب ہی دراصل اس بحث میں امہات الکتب کا درجہ رکھتی ہیں، ہم نے یہاں چند بنیادی باتوں کے بیان پر اکتفا کیا ہے اور علامہ ابن الوزیر رحمہ اللہ کے حوالے سے تنقید کی نقاب کشائی کی ہے۔

حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ پر تنقید کا شوق پورا کرنے والوں سے، افسوس کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی محفوظ نہیں رہے بلکہ اہل سنت کا دم بھرنے والے کتنے ہیں جن کی تنقید کا پہلا ہدف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہوتے ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سابقین اولین میں سے ہونے کے علاوہ کتنی

[1] العواصم: 692/1.

بشارتیں ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے انھیں جنتی قرار دیا اور اپنی رضا و خوشنودی کا ذکر فرمایا مگر کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ یہ تو ان کی ذاتی خوبیوں کے حوالے سے اخروی بشارتیں ہیں، ان کے عہدِ خلافت میں ان سے یہ اور یہ کوتاہیاں ہوئیں اور ان کے نتیجہ میں یہ اور یہ بگاڑ پیدا ہوا، تاریخی روایات کے حوالے سے اس نوعیت کے جس قدر اعتراضات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے لے کر اب تک کے علمائے کرام رحمہم اللہ نے ان کا جواب دیا ہے مگر اس کے باوجود معترضین کی کیفیت بالکل ﴿فِي قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾ کے مصداق ہے کہ مسموم ومریض دل کا علاج کارِ دارد ہے، بالکل اسی طرح جیسے خوارج بہت سے معاملات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر طعن کرتے تھے بلکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمنوا جس قدر اعتراضات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کرتے ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہمنوا اس سے کہیں زیادہ خوف ناک اعتراضات حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کرتے ہیں۔ اہل سنت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں کا دفاع کرتے ہیں اور انھیں جنتی قرار دیتے ہیں۔''[1]

مگر اہل سنت کی ایسی مساعی جمیلہ کے باوجود نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے والے مطمئن ہوتے ہیں نہ ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے والے ؎

اپنا اپنا ہے مقدر اپنا اپنا ہے نصیب

تاریخی روایات سے قطع نظر احادیث مبارکہ کی روشنی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے حوالے سے دیکھیے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«يَا عُثْمَانُ إِنَّهُ لَعَلَّ اللّٰهَ يُقَمِّصُكَ قَمِيْصاً فَإِنْ أَرَادُوْكَ عَلٰى خَلْعِهِ فَلَا تَخْلَعْهُ لَهُمْ»

[1] منهاج السنة: 178/1.

''اے عثمان رضی اللہ عنہ! شاید اللہ تعالیٰ تمھیں ایک قمیص پہنائیں اگر لوگ تم سے وہ قمیص اتروانا چاہیں تو ان کے لیے وہ قمیص نہ اتارنا۔''[1]

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن، امام ابن حبان رحمہ اللہ نے صحیح، امام حاکم رحمہ اللہ نے صحیح الاسناد اور علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے۔ جبکہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے امام مسلم رحمہ اللہ کی شرط پر صحیح کہا ہے۔[2] نیز اسے صحیح موارد الظمآن،[3] صحیح ترمذی[4] اور صحیح ابن ماجہ میں لاکر اسے صحیح قرار دیا ہے۔

اس روایت کے بعض طرق میں یہ تفصیل بھی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والے، حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ، جو انصاری خزرجی صحابی ہیں، نے جب یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنی تو فرمایا: اے ام المومنین رضی اللہ عنہا! جب یہ نزاع چل رہی تھی تب یہ روایت آپ کو یاد نہ آئی اور لوگوں کو کیوں نہ بتلائی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: «نَسِيْتُهُ وَاللّٰهِ» اللہ کی قسم! ان دنوں میں یہ روایت بھول گئی تھی، یہ الفاظ بھی مسند امام احمد، کتاب السنہ لابن ابی عاصم، ابن ماجہ، صحیح ابنِ حبان وغیرہ میں موجود ہیں، اس روایت کے بارے میں اپنے باطن کو اور اپنے حواریوں کو مطمئن کرنے کے لیے کہا جاتا ہے کہ ''یہ سب راویوں کی بناوٹی باتیں ہیں۔''

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ یہ روایت تنہا حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی نہیں۔ بلکہ ابوسہلہ مولی عثمان براہِ راست حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کرتے ہیں کہ جن ایام میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ تھا تو انھیں کہا گیا کہ آپ باہر نکل کر ان

---

[1] جامع ترمذی: 3705، ابن ماجه، رقم: 112، ابن ابی شیبة: 12/48، 15/201، مسند امام احمد: 6/75، 86، 114، 149، صحیح ابن حبان، رقم: 6876، موارد الظمآن: 2196، المستدرك للحاكم: 3/99، 100، الطبرانی فی الاوسط، رقم: 2854، السنة لابن ابی عاصم: 1172، 1173، 1174، 1176، 1178، 1179، فضائل الصحابة لاحمد: 1/613، تاريخ المدينة لعمر بن شبة: 3/1069، مسند الشاميين، رقم: 1234، 1934، السنة للخلال، رقم: 418. [2] ظلال الجنة: 2/559. [3] صحیح موارد الظمآن، رقم: 1842. [4] صحیح ترمذی: 2926.

کے خلاف قتال کیوں نہیں کرتے تو انھوں نے فرمایا:

«أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَهِدَ إِلَيَّ عَهْداً وَأَنَا صَابِرٌ عَلَيْهِ»

”کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا اور میں اس پر صبر کرتا ہوں۔“[1]

اس عہد سے مراد بھی یہی قمیصِ خلافت کو نہ اتارنے کا عہد تھا۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: اِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ، اس کی سند صحیح ہے۔[2]

لہٰذا اس روایت کا انکار اور استہزا کوئی اہل حدیث و اہل سنت تو نہیں کرسکتا، البتہ یہ استہزائی انداز روافض اور ان کی ہمنوائی کرنے والوں سے کوئی بعید نہیں۔ ع

یہ ادائے بے نیازی تجھے بے وفا مبارک

مزید برآں اس روایت کے بعض طرق میں یہ الفاظ ہیں:

«إِنْ كَسَاكَ اللّٰهُ ثَوْبًا فَأَرَادَ الْمُنَافِقُوْنَ أَنْ تَخْلَعَهٗ فَلَا تَخْلَعْهُ»

”کہ اگر اللہ تعالیٰ تمھیں لباس خلافت عطا فرمائیں اور منافق اسے تم سے اتروانا چاہیں تو اس لباس کو نہ اتارنا۔“

یہ الفاظ مسند امام احمد،[3] السنۃ لابن ابی عاصم،[4] فضائل الصحابہ للامام احمد،[5] مسند الشامیین،[6] تاریخ المدینۃ،[7] المستدرک،[8] ابن ماجہ میں مختلف اسانید سے مروی ہیں، جن میں سے بعض اسانید صحیح اور جید ہیں۔ ان الفاظ سے یہ بات بھی عیاں ہوجاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لباسِ خلافت کے اتارنے سے منع فرمایا بلکہ ان کے خلاف یہ اقدام کرنے والوں کی مذمت فرمائی اور انھیں منافق قرار دیا، رسول اللہ ﷺ

---

[1] كتاب السنة لابن ابى عاصم، رقم: 1175، مسند امام أحمد: 1/58-69، ابن ماجه، رقم: 113 اور ابن سعد: 3/66، اِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ. [2] ظلال الجنة: 2/560. [3] مسند امام احمد: 6/75-87,86، رقم: 24566,24466. [4] السنة، رقم: 1178، 2/561. [5] فضائل الصحابة، رقم: 816، 1/613. [6] مسند شاميين، رقم: 1234. [7] تاريخ المدينة: 3/1067-1069. [8] المستدرك: 3/100.

کی اس پیش گوئی کے علی الرغم، حضرت عثمانؓ کے خلاف اقدام کرنے والوں کی ہمنوائی کرنا کیا ان منافقین سے وفاداری اور طرف داری کے مترادف نہیں؟ بلکہ ایک منہ زور کی ہرزہ سرائی دیکھیے وہ ان ہی مفسدین اور منافقین کے بارے میں کہتے ہیں:

''تم انھیں فسادی کہتے ہو، ان سے بڑا ولی کوئی ہوا ہے؟ یہ صاحبِ کرامت لوگ تھے، انصاری صحابی نے دروازہ کھولا کہ کام نہیں بنتا تو ادھر سے آؤ۔ محاصرہ کرنے والے بیعتِ رضوان والے تھے۔ انصار قبرستان کے آگے کھڑے ہوگئے کہ یہاں دفن کیا تو نکال کر باہر پھینک دیں گے، وہ شہادت جس پر صحابہ ناراض ہوں وہ شہادت ہے؟'' إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

حالانکہ امر واقع یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت میں کوئی جلیل القدر صحابی تو کجا صغار صحابہ میں سے بھی کسی کا بالفعل اس میں ملوث ہونا ثابت نہیں۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ، جو اس سانحہ کے وقت مدینہ طیبہ میں تھے، سے پوچھا گیا کہ

«أَكَانَ فِيمَنْ قَتَلَ عُثْمَانَ أَحَدٌ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ؟ قَالَ لَا، كَانُوْا أَعْلَاجاً مِن أَهْلِ مِصْرَ»

''کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں مہاجرین اور انصار میں سے کوئی فرد شامل تھا؟ انھوں نے فرمایا نہیں، وہ مصر کے اکھڑ مزاج نوجوان تھے۔''[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی امام ابن عساکر رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ جو بلوائی گھر میں داخل ہوئے:

«لَيْسَ فِيْهِمْ أَحَدٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ وَلَا أَبْنَاءِ هُمْ إِلَّا مُحَمَّدَ ابْنَ أَبِيْ بَكْرٍ»

''ان میں کوئی بھی صحابی نہیں تھا اور سوائے محمد بن ابی بکر کے، کسی صحابی کی اولاد میں سے بھی کوئی نہیں تھا۔''[2]

---

[1] تاریخ خلیفہ، ص: 105. [2] البدایة: 185/7.

یہی بات امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم: 272/2 میں کہی ہے:
کسی صحابی کا شریک ہونا تو کجا کسی صحابی سے اس کی تحسین اور تائید بھی ثابت نہیں۔
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے صاف صاف لکھا ہے:

«وَأَمَّا مَا يَذْكُرُهُ بَعْضُ النَّاسِ مِنْ أَنَّ بَعْضَ الصَّحَابَةِ أَسْلَمَهُ وَرَضِيَ بِقَتْلِهِ، فَهٰذَا لَايَصِحُّ عَنْ أَحَدٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ أَنَّهُ رَضِيَ بِقَتْلِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، بَلْ كُلُّهُمْ كَرِهَهُ وَمَقَتَهُ وَسَبَّ مَنْ فَعَلَهُ. ألخ»

''بعض لوگ جو یہ ذکر کرتے ہیں کہ بعض صحابہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کو تسلیم کیا اور ان کے قتل میں وہ راضی تھے تو کسی ایک صحابی سے بھی صحیح طور پر ثابت نہیں کہ وہ ان کے قتل پر راضی ہوا ہو۔ بلکہ سب صحابہ نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ اس کی مذمت کی اور یہ اقدام کرنے والوں کو ملعون قرار دیا۔''[1]

یہی بات علامہ صلاح الدین خلیل العلائی رحمہ اللہ نے تَحْقِيْقُ مُنِيْفِ الرُّتْبَةِ لِمَنْ ثَبَتَ لَهُ شَرِيْفُ الصُّحْبَةِ[2] میں کہی ہے۔ ''منہاج الکرامہ'' کے رافضی مصنف ابن المطہر الحلی نے کہا تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا اور جب ان کے قتل کی خبر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ملی تو انھوں نے خوشی کا اظہار کیا۔ مگر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «اَيْنَ النَّقْلُ الثَّابِتُ عَنْ عَائِشَةَ بِذٰلِكَ»

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ کہاں ثابت ہے؟ فرماتے ہیں: ان سے تو یہ منقول ہے کہ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کو ناپسند کیا اور اس کے قاتل کی مذمت کی۔[3]

بلکہ انھوں نے فرمایا تھا: «قُتِلَ مَظْلُوْماً لَعَنَ اللّٰهُ قَاتِلَهُ» کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم شہید ہوئے اللہ تعالیٰ کی ان کے قاتل پر لعنت ہو۔[4]

امام احمد رحمہ اللہ نے بسند صحیح امام محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ سے بیان کیا ہے کہ

---

(1) البداية: 198/7. (2) تحقيق منيف الرتبة......، ص: 65-88. (3) منهاج السنة: 188/2. (4) التاريخ الكبير للامام البخاري: 358/4، طبراني، مجمع الزوائد: 97/3.

«بَلَغَ عَلِيًّا اَنَّ عَائِشَةَ تَلْعَنُ قَتَلَةَ عُثْمَانَ فِي الْمِرْبَدِ، قَالَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى بَلَغَ بِهِمَا وَجْهَهُ فَقَالَ: أَنَا أَلْعَنُ قَتَلَةَ عُثْمَانَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي السَّهْلِ وَالْجَبَلِ قَالَ مَرَّتَيْنِ أَوْثَلَاثاً»

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ بات پہنچی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مربد مقام پر قاتلین عثمان پر لعنت بھیجتی ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دونوں ہاتھ اٹھائے حتی کہ وہ ان کے چہرے تک بلند ہو گئے، پھر فرمایا میں بھی قاتلین عثمان پر لعنت بھیجتا ہوں، اللہ تعالیٰ ان پر میدانوں اور پہاڑوں میں (جہاں بھی ہوں) لعنت کرے۔ یہ بات انھوں نے دو یا تین بار کہی۔''[1]

جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت میں شریک یا راضی سمجھنا روافض کا ایک افتراء ہے۔ اور یہ افترا بھی اسی نوعیت کا ہے جو بلوائیوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مشہور کر رکھا تھا کہ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اقدام کرنے پر ہمیں خط لکھا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مجھے اس ذات کی قسم جس پر مومن ایمان لاتے اور کافر جس کا انکار کرتے ہیں میں نے یہاں بیٹھنے کے وقت تک کوئی خط نہیں لکھا۔[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے اس کی سند صحیح ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا ہے کہ

«وَفِيْ هٰذَا وَأَمْثَالِهٖ دَلَالَةٌ ظَاهِرَةٌ عَلٰى أَنَّ هٰؤُلَاءِ الْخَوَارِجِ قَبَّحَهُمُ اللّٰهُ، زَوَّرُوْا كُتُباً عَلٰى لِسَانِ الصَّحَابَةِ إِلَى الْآفَاقِ يُحَرِّضُوْنَهُمْ عَلٰى قِتَالِ عُثْمَانَ كَمَا قَدَّمْنَا بَيَانَهٗ»

''اس سے اور اسی طرح کی دیگر روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان خروج کرنے والوں نے، اللہ تعالیٰ انھیں ذلیل و رسوا کرے، صحابہ کرام کے نام سے جھوٹے

---

[1] فضائل الصحابة: 555/1، رقم: 733. [2] ابن ابی شیبة: 50/12، ابن سعد: 82/3.

مکتوب ہر طرف پھیلا دیے تھے اور وہ لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ کی ترغیب دیتے تھے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔''[1]

آخری الفاظ میں جس پہلے بیان کی طرف اشارہ ہے، اس میں انھوں نے ذکر کیا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ سے عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف خطوط لکھے اور لوگوں کو ان کے خلاف جنگ پر آمادہ کیا۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«وَهٰذَا كِذْبٌ عَلَى الصَّحَابَةِ، وَإِنَّمَا كُتِبَتْ كُتُبٌ مُزَوَّرَةٌ عَلَيْهِمْ كَمَا كَتَبُوْا مِنْ جِهَةِ عَلِيٍّ وَطَلْحَةَ وَالزُّبَيْرِ إِلَى الْخَوَارِجِ كُتُبًا مُزَوَّرَةً عَلَيْهِمْ أَنْكَرُوْهَا»

''یہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر جھوٹ ہے، ان کی طرف سے یہ مکتوب جھوٹے بنا کر لکھے گئے جیسا کہ حضرت علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کی طرف سے خروج کرنے والوں کے نام جھوٹے خطوط ہیں جن کا ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انکار کیا کہ ہم نے یہ خطوط نہیں لکھے۔''[2]

جس سے یہ بات نصف النہار کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ان بلوائیوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام پر کس قدر جھوٹ کے طومار پھیلا دیے تھے اور عامۃ الناس کو ورغلانے اور اپنا ہمنوا بنانے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نام پر کتنی خوفناک چال چلی تھی مگر ہر دور میں اہل علم نے ان کی اس سازش سے خبردار کیا اور واضح کیا ہے کہ کوئی صحابی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک نہیں اور نہ ہی کسی صحابی کی اس پر رضا مندی ثابت ہے۔

علامہ ابن امیر الحاج رحمہ اللہ نے بھی علامہ السبکی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ

«حَمَى اللّٰهُ الصَّحَابَةَ مِنْ مُّبَاشَرَةِ قَتْلِه «فَالْمُتَوَلِّيْ قَتْلَهٗ كَانَ شَيْطَانًا مَرِيْدًا، ثُمَّ لَا نَحْفَظُ عَنْ أَحَدٍ مِّنْهُمُ الرِّضَا بِقَتْلِه، إِنَّمَا الْمَحْفُوْظُ

---

[1] البداية: 195/7. [2] البداية: 175/7.

الثَّابِتُ عَنْ كُلٍّ مِّنْهُمْ إِنْكَارُ ذٰلِكَ»

''اللہ تعالیٰ نے براہِ راست صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے قتل سے محفوظ رکھا۔ ان کو شہید کرنے والا سرکش شیطان تھا، کسی صحابی سے ان کے قتل پر رضا مندی ثابت نہیں بلکہ محفوظ سند سے ان میں سے ہر ایک صحابی سے اس پر ناپسندیدگی ثابت ہے۔''[1]

بلکہ دکتور محمد بن عبداللہ الصبحی نے تو کہا ہے کہ اس فتنہ میں کسی صحابی کا شامل ہونا صحیح سند سے ثابت نہیں۔ ان کے الفاظ ہیں:

«إِنَّهٗ لَمْ يَشْتَرِكْ فِي التَّحْرِيْضِ عَلٰى عُثْمَانَ فَضْلًا عَنْ قَتْلِهٖ أَحَدٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ ، وَإِنَّ كُلَّ مَا رُوِيَ فِيْ ذٰلِكَ ضَعِيْفُ الْإِسْنَادِ»

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف برانگیختہ کرنے میں کوئی صحابی شریک نہیں ہوا چہ جائیکہ کوئی ان کے قتل میں شریک ہوا ہو اور جو صحابہ کی شراکت کے بارے میں روایات بیان کی جاتی ہیں ان تمام کی اسانید ضعیف ہیں۔''[2]

دکتور محمد بن عبداللہ الصبحی کی یہ کتاب اس حوالے سے تمام مرویات کے دراسہ پر مشتمل ہے اور الجامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ، کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کے مقدمہ میں بھی انھوں نے لکھا ہے:

«مِمَّا أَظْهَرَ لِيْ إِنَّ هٰذِهِ الْفِتْنَةَ لَا تُعَدُّ مِمَّا شَجَرَ بَيْنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَأَرْضَاهُمْ، إِنَّمَا هِيَ مِمَّا شَجَرَ بَيْنَ الصَّحَابَةِ وَأُنَاسٍ لَّيْسُوْا مِنَ الصَّحَابَةِ، كَمَا أَوْضَحْتُ مَوْقِفَ الصَّحَابَةِ الْحَقِيْقِيَّ تُجَاهَ عُثْمَانَ وَقَتْلِهٖ، وَإِنَّ أَحَدًا مِّنَ الصَّحَابَةِ لَمْ يَشْتَرِكْ فِى التَّحْرِيْضِ عَلَيْهِ، فَضْلًا عَنْ قَتْلِهٖ وَلَمْ يَخْرُجْ أَحَدٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ عَلَيْهِ»

''جو چیز میرے لیے ظاہر ہوئی وہ یہ ہے کہ یہ فتنہ مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار نہ کیا

---

① التقرير والتحبير: 260/2. ② فتنة مقتل عثمان بن عفان: 289/1.

جائے بلکہ یہ اختلاف صحابہ اور ان لوگوں کے مابین ہوا جو صحابہ نہیں تھے۔ جیسا کہ میں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حقیقی موقف کی وضاحت کی ہے جو انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی شہادت کے بارے میں اختیار کیا اور کوئی صحابی بھی ان کے خلاف رغبت دلانے میں شریک نہیں چہ جائیکہ ان کے قتل میں شریک ہو اور کسی صحابی نے ان کے خلاف خروج نہیں کیا۔''[1]

لہٰذا تاریخ کی کتابوں میں جو بعض جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اس فتنہ میں شمولیت کا ذکر ہے وہ تمام ضعیف اور ناقابلِ اعتماد اسانید پر مبنی ہے، بالفرض بعض صحابہ اگر فتنہ پردازوں کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہوئے تو یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خلاف رأس المنافقین عبداللہ بن اُبی کی ہرزہ سرائی اور یاوہ گوئی سے بعض مخلص صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی متاثر ہو گئے تھے۔ لیکن ان کے قتل میں قطعاً کوئی صحابی شریک نہ تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متعدد اسانید سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی مذمت کی اور اس سے اپنی براءت کا برملا اظہار کیا۔ حافظ ابن کثیر اس حوالے سے رقمطراز ہیں:

وَقَدِ اعْتَنَى الْحَافِظُ الْكَبِيْرُ اَبُو الْقَاسِمِ بْنِ عَسَاكِرَ بِجَمْعِ الطُّرُقِ الْوَارِدَةِ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهٗ تَبَرَّأَ مِنْ دَمِ عُثْمَانَ، وَكَانَ يُقْسِمُ عَلٰى ذٰلِكَ فِيْ خُطَبِهٖ وَغَيْرِهَا أَنَّهٗ لَمْ يَقْتُلْهُ وَلَا أَمَرَ بِقَتْلِهٖ وَلَا مَالَأَ وَلَا رَضِيَ بِهٖ، وَلَقَدْ نَهٰى عَنْهُ فَلَمْ يَسْمَعُوْا مِنْهُ، ثَبَتَ ذٰلِكَ عَنْهُ مِنْ طُرُقٍ تُفِيْدُ الْقَطْعَ عِنْدَ كَثِيْرٍ مِّنْ أَئِمَّةِ الْحَدِيْثِ»

''حافظ کبیر ابو القاسم ابن عساکر رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقوال متعدد طرق سے

---

[1] ایضاً: 1/14.

جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے کہ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے براءت کا اظہار کیا اور وہ اپنے خطبات وغیرہ میں حلفاً فرماتے تھے کہ نہ انھوں نے انھیں قتل کیا، نہ قتل کا حکم دیا، نہ مدد کی اور نہ راضی ہوئے بلکہ انھوں نے اس سے منع کیا لیکن انھوں نے ان کی بات نہیں سنی۔ یہ ان سے اتنی اسانید سے ثابت ہے جو بہت سے محدثین کے نزدیک قطعیت کا فائدہ دیتی ہیں۔''[1]

امام حاکم رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے کہ بدعتی جو دعوی کرتے ہیں کہ قاتلین کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معاونت حاصل تھی یہ بالکل جھوٹ ہے۔ متواتر روایات اس کے خلاف ہیں۔[2] اس کے بعد انھوں نے اس حوالے سے بعض روایات ذکر کی ہیں، یہی بات شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے مخصوص انداز میں فرمائی ہے۔[3]

محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشہور ہے کہ حملہ آوروں میں وہ بھی شریک تھے۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے استفسار پر خود انھوں نے فرمایا: «وَاللّٰهِ مَا قَتَلْتُهٗ وَلَا أَمْسَكْتُهٗ»

''اللہ کی قسم! میں نے نہ انھیں قتل کیا ہے نہ ہی پکڑا ہے۔''[4]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے بات کی تو وہ شرمندہ ہو کر منہ ڈھانپ کر پیچھے ہٹ گئے۔[5]

کنانہ مولیٰ صفیہ رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے:

«مَعَاذَ اللّٰهِ أَنْ يَّكُوْنَ قَتَلَهٗ إِنَّمَا دَخَلَ عَلَيْهِ ...... وَكَلَّمَهٗ بِكَلَامٍ فَخَرَجَ»

''کہ اللہ کی پناہ محمد بن ابی بکر نے عثمان کو قتل کیا ہو وہ ان کے گھر داخل ہوئے تھے...... حضرت عثمان نے ان سے بات کی تو وہ گھر سے نکل گئے۔''[6]

بعض غیر معروف راویوں نے اس میں بھی بڑی رنگ آمیزی کی مگر یہاں اس کی تفصیل غیر ضروری ہے، اس لیے یہ کہنا کہ اکابر صحابہ اور انصار اس میں شامل تھے قطعاً درست نہیں۔

---

[1] البداية: 193/7. [2] المستدرك: 103/3. [3] منهاج السنة: 209/2. [4] تاريخ الاسلام للذهبي: 460/1. [5] البداية: 185/7. [6] الاستيعاب: 160/3.

بلکہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے: کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر تقریباً سات سو مہاجرین وانصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنی مدافعت میں لڑنے سے روک دیا۔[1]

ان ہی میں حضرت عبداللہ بن عمر، ابوہریرہ، حسن بن علی، حسین بن علی، عبداللہ بن زبیر، مغیرہ بن شعبہ، حارثہ بن نعمان، کعب بن مالک، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کا ذکر نام بنام کتب تاریخ میں موجود ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے روکنے کے باوجود حضرت زیاد بن نعیم فہری اور مغیرہ بن الاخنس اور کچھ دیگر حضرات فتنہ پردازوں سے مڈھ بھیڑ میں شہید ہوئے، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما وغیرہ شدید زخمی ہوگئے۔ ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا سواری پر آئیں تو اشترنخعی نے ان کی سواری کو مارا اور وہ گرتے گرتے بچیں اور فرمایا مجھے واپس لے چلو اس کتے کے ہاتھوں مجھے ذلیل نہ کرو۔[2]

مؤرخین نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کے مختلف نام ذکر کیے ہیں مگر ان میں صحیح روایات کے مطابق سیاہ رنگ کا مصری شخص تھا جس نے انھیں قتل کیا۔ إِنَّهُ رَجُلٌ أَسْوَدُ مِنْ أَهْلِ مِصْرَ.

دکتور محمد بن عبداللہ الصبحی نے بھی اس کی تصویب کی ہے اور باقی روایات کو ضعیف قرار دیا ہے۔[3]

ان فتنہ پردازوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید ہی نہیں کیا ان کے گھر کا مال ومتاع بھی لوٹ کر لے گئے بلکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور دوسروں کے گھروں میں بھی غارت گری کی۔[4]

جس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہمنوا تھے، اس لیے یہ تاثر سراسر غلط ہے کہ قاتلینِ عثمان فسادی نہیں بڑے ولی اللہ تھے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

[1] البداية: 7/181-188. [2] ابن سعد: 8/128، التاريخ الكبير للامام البخاري: 7/227، تاريخ خليفة: 102. [3] فتنة مقتل عثمان: 1/251-255. [4] المنتظم: 5/59.

ان کے ہم رکاب تھے۔

اسی طرح یہ کہنا بھی بالکل باطل ہے کہ ''انصار صحابہ قبرستان کے آگے کھڑے ہوگئے اور کہا کہ یہاں دفن کیا تو باہر پھینک دیں گے۔'' امام طبری نے اس قسم کی باتیں واقدی جیسے ضعیف بلکہ متروک سے نقل کی ہیں۔① بلکہ یہ جسارت کرنے والے بھی بدنصیب فتنہ پرداز ہی تھے، چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا تبصرہ یوں ہے:

«وَقَدْ عَارَضَهٗ بَعْضُ الْخَوَارِجِ وَأَرَادُوْا رَجْمَهٗ وَإِلْقَائَهٗ عَنْ سَرِيْرِهٖ، وَعَزَمُوْا عَلٰی أَنْ يُّدْفَنَ بِمَقْبُرَةِ الْيَهُوْدِ بَدِيْرِ سَلْعٍ حَتّٰی بَعَثَ عَلِيٌّ إِلَيْهِمْ مَنْ نَهَاهُمْ عَنْ ذٰلِكَ»

''اور بعض خوارج، یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کرنے والے، آڑے آئے، ان کے جنازہ پر سنگ باری کرنا چاہی اور چارپائی سے جنازہ نیچے گرانے کی کوشش کی اور عزم کیا کہ انھیں یہود کے مقبرہ میں سلع کے کنویں کے پاس دفن کیا جائے، تاآنکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو بھیجا اور اس نے انھیں اس (بیہودگی) سے روکا۔''②

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے:

«فَلَمَّا سَمِعَ مَنْ قَصَدَهٗ بِذٰلِكَ قَعَدُوْا لَهٗ فِي الطَّرِيْقِ بِالْحِجَارَةِ»

''جب (ان کے دفن کا) سنا تو جنھوں نے ان کی مخالفت کی تھی وہ راستے میں پتھر لے کر بیٹھ گئے۔''③

اس لیے اس بیہودگی کا ارتکاب بھی انھی مفسدین نے کیا تھا، انصار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی اس میں ملوث نہ تھا، متقدمین کی وضاحت کے علی الرغم انھیں انصار صحابہ قرار دینا تجاہل عارفانہ ہے یا پھر یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض و عداوت پر مبنی ہے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

① تاریخ طبری: 5/144,143. ② البداية: 7/191. ③ الكامل: 3/180.

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کے حوالے سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بقیع میں دفن ہونے سے روکنے والوں میں ایک اسلم بن بجرہ انصاری تھے۔[1]

اوّلاً: عرض ہے کہ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے کس سند سے اسلم بن بجرہ کے بارے میں یہ نقل کیا ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بقیع میں دفن کرنے سے روکتے تھے؟ البتہ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے تاریخ[2] میں ان کا اور ابوحیۃ مازنی کا نام واقدی کی سند سے ہی ذکر کیا ہے۔ اور وہ ضعیف بلکہ متروک ہے۔

ثانیاً: حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے تو کہا ہے فِيْ صُحْبَتِهِ نَظْرٌ[3] اس کا صحابی ہونا محل نظر ہے۔

اور اس کی وضاحت بھی انھوں نے کردی کہ جس روایت سے اس کا صحابی ہونا ثابت ہوتا ہے ''اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کا مدار اسحاق بن ابی فروہ پر ہے۔'' اور وہ متروک ہے۔ ثبوتِ صحبت کے لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے طبرانی صغیر[4] سے بھی ایک روایت ذکر کی ہے مگر اس کی سند بھی درست نہیں کیونکہ سند میں عبداللہ بن عمر الفہری اس کا استاد محمد بن ابراہیم، اس کا استاد یعنی محمد کا باپ ابراہیم بن محمد کا کہیں ترجمہ نہیں ملتا۔ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے اسے مجمع الزوائد[5] میں ذکر کیا اور فرمایا: «فِيْهِ جَمَاعَةٌ لَمْ أَعْرِفْهُمْ» اس میں ایک جماعت ہے جنھیں میں نہیں جانتا، اس لیے اسلم بن بجرہ کا تو قابلِ اعتبار سند سے صحابی ہونا ہی محل نظر ہے جیسا کہ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ لہٰذا انصار صحابہ میں ذکر کرکے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دفن میں رکاوٹ پیدا کرنے والوں میں اسے شمار کرنے کی حیثیت ہی کیا رہ جاتی ہے؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مزید عمر بن شبہ کی تاریخ المدینہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ مخلد

---

① الاصابۃ: 36/1. ② تاریخ: 144/5. ③ الاصابۃ: 36/1، الاستیعاب: 179/1. ④ طبرانی صغیر: 66/1. ⑤ مجمع الزوائد: 141/6.

بن خفاف نے حضرت عروہ سے نقل کیا ہے کہ اسلم ان لوگوں میں شامل تھے جنھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بقیع میں دفن ہونے سے منع کیا۔ ①

مگر تاریخ المدینہ کے مطبوعہ نسخہ میں ہمیں یہ قول نہیں ملا اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس کی پوری سند بیان نہیں کی۔

ثانیاً: مخلد بن خفاف کو تو خود انھوں نے تقریب ② میں مقبول کہا ہے اور انھوں نے اس کی وضاحت کی ہے کہ یہ مقبول تب ہے جب اس کی متابعت ہو، ورنہ یہ کمزور ہوتا ہے۔ ③

اس لیے سند ناتمام ہونے کی وجہ سے یہ درست نہیں اور اسلم کا صحابی ہونا بھی کسی دلیل سے ثابت نہیں، اسی طرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حضرت جبلہ رضی اللہ عنہ بن عمرو انصاری کے بارے میں عمر بن شبہ کے حوالے سے لکھا ہے وہ بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بقیع میں دفن ہونے سے روکتے تھے۔ ④

مگر افسوس کہ اسے بھی انھوں نے بغیر سند ہی ذکر کیا ہے، اس لیے جب تک کسی قابل ذکر سند سے اس کا ثبوت نہ ہو، تب تک انھیں اس میں ملوث کرنا درست نہیں، محض کسی کا نقل کر دینا ثبوت کے لیے کافی نہیں۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے واقدی کی سند سے حضرت جبلہ رضی اللہ عنہ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر سب سے پہلے اعتراض کرنے والوں میں نام لیا ہے۔ اور امام ابن اثیر رحمہ اللہ نے بھی اسے ''قیل'' سے حکایت کیا ہے۔ ⑤

مگر بقیع میں دفن کے حوالے سے انھوں نے بھی کوئی بات ذکر نہیں کی۔

اسی طرح یہ کہنا کہ ''وہ شہادت جس پر صحابہ ناراض ہوں وہ شہادت ہے؟'' یہ جملہ بھی انتہائی خبث باطن کا مظہر ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی پیش گوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، بالکل اسی طرح جس طرح حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی شہادت کی پیش گوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ

① الاصابة: 36/1. ② تقريب، ص: 331. ③ مقدمة التقريب. ④ الاصابة: 233/1. ⑤ الكامل: 168/3.

پر چڑھے، آپ کے ہمراہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ احد کانپنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اُثْبُتْ أَحُدُ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيْقٌ وَشَهِيْدَانِ»

''احد! ٹھہر جاؤ، تمھارے اوپر تو نبی ہے، صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔''[1]

یہی روایت کچھ اختلاف سے حضرت ابوہریرہ، بریدہ بن الحصیب، سعید بن زید رضی اللہ عنہم بلکہ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، جسے انھوں نے محصور ہونے کے ایام میں بیان فرمایا تھا۔ بعض روایات میں حرا پہاڑ پر کھڑے ہونے کا ذکر ہے اور ان میں حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کے ساتھ حضرت علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کا بھی ذکر ہے، جس کی تفصیل السلسلة الصحیحة[2] میں دیکھی جا سکتی ہے۔ غور فرمایئے جسے لسان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے شہادت کی بشارت ملے ان کی شہادت کا انکار، حدیث کا انکار اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض و عداوت کا مظہر نہیں؟ اور یہ ساری کارروائی روافض کی ہمنوائی میں نہیں؟

بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عداوت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ قاتلینِ عثمان ''صاحب کرامات ولی تھے'' اللہ، اللہ! حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے ان کے گھر کو لوٹنے والے بھی ''صاحب کرامات ولی'' ٹھہرے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں مستجاب الدعوات مشہور تھے، کو جب عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ہوئی تو انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں رحمت کی دعا کی اور قاتلین کے بارے میں یہ آیت پڑھ کر اپنی نفرت کا اظہار کیا:

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ○ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ○﴾

''کہہ دو کہ ہم تمھیں بتائیں جو عملوں کے لحاظ سے بڑے نقصان میں ہیں، وہ لوگ

---

[1] صحیح بخاری، رقم: 3699 وغیرہ. [2] السلسلة الصحیحة، رقم: 785.

جن کی سعی دنیا کی زندگی میں برباد ہوگئی اور وہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اچھے کام کررہے ہیں۔"[1]

اس کے بعد انھوں نے فرمایا: «اَللّٰھُمَّ أَنْدِمْھُمْ ثُمَّ خُذْھُمْ»

"اے اللہ! انھیں شرمسار کر پھر انھیں اپنی گرفت میں لے لے۔"

چنانچہ اسی طرح ہوا قاتلین عثمان خود قتل ہوئے یا دیوانے اور پاگل ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوئے۔زید بن ابی حبیب فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف پیش قدمی کرنے والے اکثر دیوانے ہو گئے تھے۔[2]

مگر کچھ رافضی مزاج حضرات کو وہ "صاحب کرامات ولی" نظر آتے ہیں۔

جن دنوں بلوائیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا ان ہی ایام میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملے تو انھیں کہا اگر آپ ان کے کہنے پر قمیص خلافت اتار دیں تو آپ دنیا میں ہمیشہ رہیں گے؟ تو انھوں نے فرمایا: نہیں، پھر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اگر آپ یہ قمیص نہ اتاریں تو یہ لوگ آپ کے قتل سے مزید اور کوئی اقدام کرسکیں گے؟ تو انھوں نے فرمایا: نہیں، (گویا آخری ہدف تو میرا قتل ہے) عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کیا یہ لوگ تمھارے لیے جنت ودوزخ کے مالک ہیں؟ فرمایا: نہیں، پھر عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ آپ اس قمیص کو نہ اتاریں جو قمیص اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہنائی ہے ورنہ تو یہ ایک طریقہ چل نکلے گا کہ جب کچھ لوگ اپنے خلیفہ کو یا امام کو ناپسند کریں اسے قتل کر دیں گے۔[3]

حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«لَاَنْ أَخِرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَأَنْقَطِعَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَكُوْنَ شَرِكْتُ فِيْ دَمِ عُثْمَانَ»

---

[1] الکھف 104,103. [2] البدایۃ: 189/7، مجمع الزوائد: 94/9. [3] تاریخ خلیفۃ بن خیاط، ص: 100.

''اگر میں آسمان سے گر جاؤں، پھر مجھے موت آجائے تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون میں شریک ہوں۔''[1]

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کے راوی الصحیح کے راوی ہیں۔[2]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ لَمْ أَقْتُلْ وَلَمْ آمُرْ وَلَمْ أَرْضَ»

''اے اللہ! میں نے نہ انھیں قتل کیا، نہ میں نے ایسا حکم دیا اور نہ ہی میں اس پر راضی ہوں۔''[3]

حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ بن عدی مہاجرین اور بدری صحابہ میں شمار ہوتے ہیں وہ صنعاء شام کے امیر تھے انھیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا علم ہوا تو انھوں نے خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں بہت روئے، جب کچھ حوصلہ ہوا تو فرمایا:

«اَلْيَوْمَ انْتُزِعَتْ خِلَافَةُ النُّبُوَّةِ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ وَصَارَتْ مُلْكًا وَجَبْرِيَّةً مَّنْ أَخَذَ شَيْئًا غَلَبَ عَلَيْهِ»

''آج رسول اللہ ﷺ کی امت سے خلافت نبوی چھین لی گئی اور وہ بادشاہت اور جبریت میں تبدیل ہوگئی، جس کے ہاتھ میں جو آیا وہ اس پر قابض ہوگیا۔''[4]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

«لَوِ اجْتَمَعَ النَّاسُ عَلٰى قَتْلِ عُثْمَانَ لَرُمُوْا بِالْحِجَارَةِ كَمَا رُمِيَ قَوْمُ لَوْطٍ»

''کہ اگر لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل پر جمع ہو جاتے تو آسمان سے اسی طرح پتھر برستے جیسے قوم لوط پر برسے تھے۔''[5]

---

(1) طبرانی. (2) مجمع الزوائد: 9/93. (3) ابن ابی شیبة: 15/206. (4) عبد الرزاق: 11/447، طبرانی مجمع الزوائد: 9/99، التاریخ الکبیر: 2/176، ابن سعد: 3/80، أسد الغابة: 1/296. (5) ابن سعد: 3/80.

امام طبرانی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خطبہ دیا جس میں انھوں نے فرمایا: «لَوْ اَنَّ النَّاسَ لَمْ يَطْلُبُوْا بِدَمِ عُثْمَانَ لَرُجِمُوْا بِالْحِجَارَةِ مِنَ السَّمَاءِ»

''اگر لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ نہ کرتے تو آسمان سے ان پر پتھر برستے۔''[1]

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ طبرانی کبیر کی روایت کے راوی الصحیح کے راوی ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے مختلف انداز میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ہونے والی یورش کی مذمت کی، چنانچہ انھوں نے آنے والے شرپسندوں کو مخاطب ہو کر فرمایا: لوگو! اس شیخ کو قتل نہ کرو، جو امت اپنے نبی کو قتل کرتی ہے اس کے بدلے میں ستر ہزار قتل ہوتے ہیں اور جو امت اپنے خلیفہ کو قتل کرتی ہے اس کے بدلے میں چالیس ہزار قتل ہوتے ہیں۔[2]

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کے راوی الصحیح کے راوی ہیں، البتہ مصنف عبدالرزاق[3] میں ہے کہ خلیفہ کے بدلے میں 35 ہزار قتل ہوتے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی فرمایا: کہ «وَاللّٰهِ لَئِنْ قَتَلْتُمُوْهُ فَلَا تُصَلُّوْا جَمِيْعاً أَبَداً» ''اللہ کی قسم اگر تم انھیں قتل کر دو گے تو کبھی بھی اکٹھے مل کر نماز نہیں پڑھ سکو گے۔''[4]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بن یمان فرماتے تھے:

«قَتْلُهٗ فِتْنَةٌ وَاِنَّهَا أَوَّلُ فِتْنَةٍ وَآخِرُهَا دَجَّالٌ»

''کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل پہلا فتنہ ہے اور آخری فتنہ دجال کا ہے۔''[5]

ابن عساکر میں اس کے ساتھ ان سے یہ قول بھی منقول ہے کہ مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جس دل میں عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی پسندیدگی ایک رائی کے برابر ہوئی اگر وہ زندہ رہا تو دجال کا پیروکار ہوگا اور اگر وہ پہلے فوت ہو گیا تو قبر میں اس پر

---

[1] مجمع الزوائد: 97/9. [2] طبرانی، مجمع الزوائد: 92/9. [3] مصنف عبد الرزاق: 445/11.
[4] ابن أبي شيبة: 227/15. [5] الدعرفة والتاريخ: 770/2.

ایمان لائے گا۔ ①

جب بلوائیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا رخ کیا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ یہ کیا چاہتے ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا: اللہ کی قسم یہ انھیں قتل کرنا چاہتے ہیں، پھر انھیں کہا گیا: کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قتل ہونے کے بعد کہاں ہوں گے؟ تو انھوں نے فرمایا: «فِي الْجَنَّةِ وَاللّٰهِ» ''اللہ کی قسم وہ جنت میں ہوں گے۔'' پھر پوچھا گیا کہ ان کے قاتل کہاں ہوں گے تو انھوں نے فرمایا: «فِي النَّارِ وَاللّٰهِ» ''اللہ کی قسم وہ جہنم میں ہوں گے۔ ②

علامہ ابن عساکر رحمہ اللہ وغیرہ نے اسی نوعیت کے اور اقوال بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے نقل کیے ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی نگاہوں میں اس سانحہ کی کیا حیثیت تھی اور اس میں شریک ہونے والوں کے بارے میں وہ کیا رائے رکھتے تھے۔

سید التابعین حضرت ابومسلم خولانی نے قاتلین عثمان سے فرمایا تھا:

''تمھارا حشر وہی ہوگا جو قوم ثمود کا ہوا تھا کیونکہ خلیفہ کی عزت وتکریم اللہ کی اونٹنی سے زیادہ ہے۔'' ③

یہ ''صاحبِ کرامات ولی'' وہ ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہتے ہیں ہمارے ساتھ عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف نکلو، عثمان رضی اللہ عنہ کا خون حلال ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ انکار کردیتے ہیں تو وہ کہتے ہیں:

«فَلِمَ كَتَبْتَ إِلَيْنَا؟ قَالَ: وَاللّٰهِ مَا كَتَبْتُ إِلَيْكُمْ كِتَاباً قَطُّ، قَالَ فَنَظَرَ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ، فَقَالُوْا: أَلِهٰذَا تُقَاتِلُوْنَ أَوْ لِهٰذَا تَغْضَبُوْنَ، فَانْطَلَقَ عَلِيٌّ يَخْرُجُ مِنَ الْمَدِيْنَةِ إِلٰى قَرْيَةٍ»

''آپ نے ہمیں خط کیوں لکھا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم میں نے کبھی بھی تمھاری طرف خط نہیں لکھا، وہ حیرانی سے ایک دوسرے کا منہ دیکھتے اور کہتے ہیں کیا اس (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے لیے تم لڑتے ہو اس کے لیے تم آگ بگولا

① البداية: 192/7. ② ابن أبي شيبة: 206/15، المعرفة للفسوى: 768/2. ③ البداية: 197/7.

ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ چھوڑ کر ایک بستی میں تشریف لے جاتے ہیں۔" [1]

غور فرمائیے! یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ "کہ آپ نے خط لکھ کر ہمیں یہاں بلوایا ہے۔" مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کا قطعاً انکار کرتے ہیں، یہ ہیں "صاحب کرامات ولی" یہی حضرات ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نے سواری پر جاتے ہوئے ایک شخص کو پکڑا جس کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خط تھا اور اس پر ان کی مہر لگی ہوئی تھی، جس میں عامل مصر کو لکھا تھا کہ ان آنے والوں کو قتل کردو اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دو، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اس خط سے لاتعلقی کا اظہار کیا اور فرمایا: اللہ کی قسم میں نے یہ خط نہیں لکھا، نہ ہی لکھوایا ہے اور نہ ہی اس کے بارے میں مجھے کچھ علم ہے۔ مگر وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس حلفیہ بیان پر یقین نہیں کرتے بالکل اسی طرح جس طرح انھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بات پر یقین نہیں آیا بلکہ الٹا یہ کہتے ہیں: "اس کے لیے تم لڑتے ہو۔" اور اسی تناظر میں وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مباح الدم قرار دیتے ہیں۔ یہ ہیں "صاحب کرامت ولی" سبحان اللہ۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خط کی اس پلاننگ سے لوگوں کو ان کے مکر وفریب کا پتا چل گیا۔ [2]

وہ یہی ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کرتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دیوار پر سے ان سے بات کرنے کے لیے انھیں السلام علیکم کہتے ہیں، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے غلام ابوسعید رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں نے ان کی طرف سے سلام کا جواب کسی سے نہیں سنا، آہستہ سے کسی نے کہہ دیا ہو تو علیحدہ بات ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے بئر رومہ کو اپنے مال سے خرید کر لوگوں کے لیے وقف کیا مگر آج تم مجھے اس میٹھے کنویں سے روزہ افطار کرنے کے لیے بھی پانی نہیں لینے دیتے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ میں نے زمین خرید کر مسجد نبوی کے لیے وقف کی، کیا کبھی کسی کو وہاں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا؟" مگر ظلم کی اس داستان کو بھی بعض حضرات تسلیم نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں: کہ نماز کی

---

[1] ابن أبي شيبة: 617/15. [2] تاريخ إسلام: 440/1.

ادائیگی میں رکاوٹ اور دوسرے مظالم جو تاریخی روایات میں سے ہیں بالکل جھوٹ اور وضعی ہیں۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

غور فرمایئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر جور وظلم کی یہ داستان تو جھوٹی قرار پائے مگر قاتلین عثمان اور خارجین صاحب کرامت ولی ٹھہریں۔ فاعتبروا يا أولى الأبصار

یہ ساری تفصیل بیان کر کے بالآخر ابو سعید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«فَعَلِمْتُ أَنَّ أَعْدَاءَ اللّٰهِ لَمْ يُرِيْدُوْا إِلَّا الدُّنْيَا»

''میں نے جان لیا کہ اللہ کے ان دشمنوں کا مطمح نظر دنیا تھا۔''[1]

اور مسند اسحاق بن راھویہ سے یہی روایت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے المطالب العالیہ[2] میں نقل کی اور فرمایا: رِجَالُهُ ثِقَاتٌ سَمِعَ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں اور راویوں نے ایک دوسرے سے سنا ہے، یعنی سند متصل ہے۔ یہی بات علامہ البوصیری رحمہ اللہ نے بھی اتحاف الخیرۃ[3] میں کہی ہے۔ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے یہ روایت بحوالہ البزار نقل کی اور فرمایا: کہ اس کے سب راوی صحیح بخاری کے ہیں، سوائے ابو سعید مولی ابی سعید کے اور وہ ثقہ ہے۔[4]

یہی روایت تاریخ المدینہ لابن شبہ، تاریخ خلیفہ بن خیاط اور طبری وغیرہ میں متفرق طور پر منقول ہے، امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسی نوعیت کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب جھوٹے مکتوبات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ خط بھی جھوٹ کا پلندہ تھا، انھوں نے نہ لکھنے کا حکم دیا اور نہ ہی انھیں اس بارے میں کچھ علم تھا ان کے الفاظ ہیں:

«وَهٰكَذَا زُوِّرَ هٰذَا الْكِتَابُ عَلٰى عُثْمَانَ أَيْضاً فَإِنَّهُ لَمْ يَأْمُرْ بِهِ وَلَمْ

---

① مصنف ابن ابی شیبۃ: 15/215-230، فضائل الصحابة للامام أحمد: 1/574، الاحسان یعنی صحیح ابن حبان: 9/36، رقم: 6880. سنده صحیح. ② المطالب العالیة رقم: 4438. ③ اتحاف الخیرة: 8/10. ④ المجمع: 7/228.

يَعْلَمْ بِهٖ أَيْضاً»[1]

دراصل ان ہی جھوٹے فتنہ پردازوں (جو لسانِ نبوت ﷺ سے منافق اور حضرت ابوسعید رحمہ اللہ کے فرمان میں اللہ کے دشمن اور دنیا پرست تھے) کی سازشوں میں کچھ نیک دل حضرات بھی پھنس گئے، بالآخر ان ہی شرپسندوں نے اپنے ہاتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاکیزہ خون سے رنگے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بسند حسن، امام حسن بصری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:

«عَمِلَ أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً لَا يُنْكِرُوْنَ مِنْ إِمَارَتِهٖ شَيْئاً حَتّٰى جَاءَ فَسَقَةٌ فَدَاهَنَ وَاللّٰهِ فِيْ أَمْرِهٖ أَهْلُ الْمَدِيْنَةِ»

''امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بارہ سالہ دورِ خلافت میں ان کی امارت پر کوئی بھی اعتراض نہیں کرتا تھا تاآنکہ فاسق آئے، اللہ کی قسم! اہلِ مدینہ نے ان کے بارے میں مداہنت کی۔''[2]

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ان ہی کو خَوَارِجُ مُفْسِدُوْنَ فِي الْأَرْضِ[3] کہا۔

ابن عماد نے انھیں أَرَاذِلُ مِنْ أَوْبَاشِ الْقَبَائِلِ کہا۔[4]

یہی کچھ علامہ نووی رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں (شرح مسلم: 272/2) میں کہا ہے۔ مگر اب ان کے بارے میں باور کرایا جاتا ہے کہ وہ صاحب کرامت ولی تھے۔ سبحان اللہ!

بلکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بسند صحیح ثابت ہے کہ انھوں نے فرمایا:

«لَقَدْ عَابُوْا عَلٰى عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ أَشْيَاءَ، لَوْ فَعَلَ بِهَا عُمَرُ مَا عَابُوْهَا عَلَيْهِ»

''لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر جن باتوں کی بنا پر عیب لگایا، اگر وہی باتیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کرتے تو وہ ان پر اعتراض نہ کرتے۔''[5]

---

[1] البداية: 175/7، نیز دیکھیے: 195/7. [2] تاريخ الاوسط، رقم: 194/1، 460. یہی کتاب پہلے التاریخ الصغیر کے نام سے طبع ہوتی رہی ہے اس کے ہندی نسخہ کے (ص: 84) پر بھی یہ قول منقول ہے۔

[3] منهاج السنة: 189/3. [4] شذرات: 40/1. [5] ابن ابی شيبة: 50/12، الشريعة للآجري: 1977/4، الاستيعاب: 157/3.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ ہی کی کیا بات، اس حوالے سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وضاحت فرما دی ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«تَدُوْرُ رَحَى الْإِسْلَامِ عَلٰى رَأسِ خَمْسٍ وَّثَلَاثِيْنَ أَوْ سِتٍّ وَّثَلَاثِيْنَ أَوْ سَبْعٍ وَّثَلَاثِيْنَ» (الحديث)

''اسلام کی چکی 35 سال، یا 36 سال، یا 37 سال تک چلتی رہے گی۔''[1]

کتب احادیث میں صحیح سند سے مروی ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی السلسلة الصحیحه[2] میں اسے ذکر کیا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حادثہ فاجعہ 35ھ میں رونما ہوا۔ اس مدت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فرمائیں کہ اس میں اسلام کی چکی چلتی رہے گی۔ مگر طاعنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اس سے اتفاق نہیں، انھیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلام کی چکی رکتی اور احکامِ اسلام میں رخنہ اندازی نظر آتی ہے۔

یہی نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور تک اسلام کی سربلندی کا ذکر فرمایا بلکہ انھیں عبائے خلافت نہ اتارنے کی تلقین کی اور ان کے موقف کو مبنی برحق اور مخالفین کو منافق قرار دیا بلکہ ان کے حوالے سے فتنہ سے بچنے والے خوش نصیبوں کو نجات کی بشارت بھی دی، چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن حوالہ سے بسند صحیح مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ نَجَا مِنْ ثَلَاثٍ فَقَدْ نَجَا - ثَلَاثَ مَرَّاتٍ - مَوْتِي، وَالدَّجَّالِ، وَقَتْلِ خَلِيْفَةٍ مُصْطَبِرٍ بِالْحَقِّ يُعْطِيْهِ»

''کہ جو تین چیزوں سے بچ گیا اس نے نجات پائی۔ یہ بات آپ نے تین بار

[1] ابوداود مع العون: 159/4، مسند الامام أحمد: 390/1-393، المستدرك: 114/3، 521/4، شرح السنة: 15/18 وغیرہ، وَسَنَدُهُ صَحِيْحٌ. [2] السلسلة الصحيحة، رقم: 976.

ارشاد فرمائی، ایک میری موت (پر فتنۂ ارتداد) دوسرا دجال (کا فتنہ) تیسرا حق ادا کرنے اور اس پر قائم رہنے والے خلیفہ کے قتل کا فتنہ۔‘‘[1]

ظاہر ہے کہ اس میں حق پر قائم رہنے والے جس خلیفہ کی طرف اشارہ ہے اس سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مراد ہیں اور محدثین کرام رحمہ اللہ نے اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب میں ذکر کیا ہے۔ غور فرمایا آپ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس خلیفہ برحق کے قتل سے بچنے والوں کو فتنہ ارتداد اور فتنہ دجال سے بچنے والے خوش نصیبوں میں قرار دیتے ہیں اور انھیں نجات کی بشارت دیتے ہیں مگر صد افسوس کہ اس کے بالکل برعکس بتلانے والے بتلاتے ہیں اور برسر منبر ومحراب بتلاتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے اِن اِن غلطیوں کا ارتکاب کیا، ان کے خلاف اقدام کرنے والے صاحب کرامت ولی اور جلیل القدر صحابی تھے، انصار صحابہ نے انھیں جنت البقیع میں دفن نہ ہونے دیا!

﴿ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوٰهِهِمْ .... قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ أَفْوٰهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ أَكْبَرُ ﴾

رہے وہ اعتراضات جو مفسدین نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر عائد کیے تھے ان تمام کے جوابات حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیے۔ جن کی تفصیل البدایہ[2] وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

مولانا مودودی نے خلافت وملوکیت میں بھی ان اعتراضات کو نقل کیا ہے۔ روافض اور جماعت اسلامی سے وابستہ حضرات کے علاوہ ملک کے تمام مسالک سے وابستہ علمائے کرام نے ان کی اس ’’تحقیقی کاوش‘‘ سے اختلاف کیا اور اس کے جواب میں متعدد کتابیں لکھیں۔

اسی خلافت وملوکیت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ’’ان کی شکایات میں سے اگر کوئی شکایت وزنی تھی تو صرف وہی جس کا اوپر ہم ذکر

---

[1] مسند أحمد: 5/33، 228، 4/105-109,110، السنة لابن أبي عاصم، رقم: 1177، المستدرك: 3/101، ابن أبی شيبة: 15/135، دلائل النبوة: 6/393، مجمع الزوائد: 7/334.

[2] البداية: 7/171.

کر چکے ہیں۔"[1]

یہ شکایات کس قدر "وزنی" تھیں، اس حوالے سے خود انھوں نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ

"حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے ایک ایک الزام کا جواب دے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پوزیشن صاف کی، مدینے کے مہاجرین وانصار بھی، جو دراصل اس وقت مملکت اسلامیہ میں اہلِ حل وعقد کی حیثیت رکھتے تھے ان کے ہمنوا بننے کے لیے تیار نہ ہوئے مگر یہ لوگ اپنی ضد پر قائم رہے اور بالآخر انھوں نے مدینہ میں گھس کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گھیر لیا۔"[2]

نیز لکھتے ہیں:

"پھر انھوں نے اس زیادتی پر بھی بس نہ کی بلکہ تمام شرعی حدود سے تجاوز کر کے خلیفہ کو قتل کر دیا اور ان کا گھر لوٹ لیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جن کاموں کو وہ اپنے نزدیک گناہ سمجھتے تھے وہ اگر گناہ تھے بھی تو شریعت کی رو سے کوئی شخص انھیں ایسا گناہ ثابت نہیں کر سکتا کہ اس پر کسی مسلمان کا خون حلال ہو جائے...... جو لوگ شریعت کا نام لے کر ان پر معترض تھے انھوں نے خود شریعت کا کوئی لحاظ نہ کیا اور ان کا خون ہی نہیں، ان کا مال بھی اپنے اوپر حلال کر لیا۔"[3]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اس اقدام پر اہل مدینہ کی رائے کے حوالے سے بھی مولانا مودودی نے لکھا ہے:

"اس مقام پر کسی شخص کو یہ شبہ لاحق نہ ہو کہ اہلِ مدینہ ان لوگوں کے اس فعل پر راضی تھے...... مدینہ والوں کے لیے تو یہ انتہائی غیر متوقع حادثہ تھا جو بجلی کی طرح ان پر گرا اور بعد میں وہ اس پر سخت نادم ہوئے کہ ہم نے مدافعت میں اتنی تقصیر کیوں کی۔"[4] الخ

---

① خلافت وملوکیت: 118. ② ایضاً: 117. ③ ایضاً: 119. ④ ایضاً: 120.

''شریعت'' کے نام سے فتنہ گروں نے جو فتنہ اٹھایا خود ان کی ''شریعت پر پابندی'' ان اقتباسات سے واضح ہوجاتی ہے۔ اور مدینہ طیبہ کے مہاجرین وانصار کا موقف بھی اس سے سمجھا جاسکتا ہے آج بھی ان حقائق کے برعکس شریعت ہی کی پابندی کے حوالے سے یہ باور کرایا جارہا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شریعت کی مخالفت کی تھی اور ان کیخلاف یہ اقدام کرنے والے جلیل القدر صحابہ تھے اور وہ ان کے قتل پر معاذ اللہ خوش تھے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف الزامات واعتراضات جو ان فتنہ پردازوں نے اٹھائے تھے اور ''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کا جواب دے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پوزیشن صاف کردی تھی'' ان ہی اعتراضات کو دوبارہ اٹھانا اور اپنی چرب زبانی سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو موردِ طعن بنانا کیا ان ہی فتنہ پردازوں کی ہمنوائی نہیں؟ جو شریعت کے نام پر شریعت کی دھجیاں اڑا رہے تھے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

اعتراضات کے جواب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے موقف کی وضاحت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یا خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نہ بھی کی ہوتی تب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بعد کسی سچے مسلمان کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ کے دور میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو برحق قرار دیا، چنانچہ حضرت مرۃ بن کعب رضی اللہ عنہ (اور بعض نے کعب بن مرۃ نام لیا ہے) فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد قریب میں فتنوں کا ذکر کیا تو ایک شخص چادر میں لپٹا ہوا سامنے سے گزرا، آپ نے فرمایا: «هٰذَا يَوْمَئِذٍ عَلَى الْهُدٰى» ''یہ فتنوں کے دنوں میں ہدایت پر ہوگا۔'' اور بعض طرق میں ہے کہ ''یہ اور ان کے ہمنوا ہدایت پر ہوں گے۔'' حضرت مرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اس شخص کی طرف لپکا تو دیکھا وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں، میں نے ان کا چہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتے ہوئے عرض کیا، یہ شخص؟ تو آپ نے فرمایا: نعم، ہاں! یہی شخص۔ [1]

---

[1] جامع ترمذی، رقم: 3704، مسند امام أحمد: 4/236,235، 5/33-35، ابن ابی شیبة: 12/42,41، 14/593، السنة لابن ابی عاصم، رقم: 1295، المستدرك: 3/102، 4/433، المعجم الكبير: 2/316، مسند الشاميين: 2/394، حلية الاولياء 9/114.

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح اور امام حاکم رحمہ اللہ نے بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔[1]

یہی روایت حضرت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن حوالہ، کعب بن عجرہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہے۔[2] بلکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کا ذکر کیا تو کسی نے کہا ہمیں آپ کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

«عَلَيْكُمْ بِالْأَمِيْنِ وَأَصْحَابِهِ وَهُوَ يُشِيْرُ إِلٰى عُثْمَانَ»

تم امین اور اس کے ساتھیوں سے وابستہ رہو اور یہ کہتے ہوئے آپ نے عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا۔[3]

امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے صحیح الاسناد کہا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے اس کی سند جید حسن ہے۔[4]

اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے الصحیحہ[5] میں اسے درج کیا ہے، لہٰذا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقا، جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی یقیناً شامل ہیں، کے حق پر ہونے اور ان کے امانت دار ہونے کی پیشگوئی فرمائی اور ان کا ساتھ دینے کا حکم فرمایا تو اس صحیح حدیث کے برعکس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مورد الزام ٹھہرانا اور ان پر زبان طعن دراز کرنا اپنی عاقبت تباہ و برباد کرنے کے مترادف ہے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دفاع

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دفاع میں مولانا مودودی کے حوالے سے جو کچھ ہم نے نقل کیا

---

[1] السلسلة الصحيحة، رقم: 3119، وصحيح الترمذي: 2922، و حاشية مشكوٰة: 1715/3.

[2] السلسلة الصحيحة: 3118. [3] مسند امام احمد: 345/2، رقم: 8522، والمستدرك للحاكم: 434/4، وابن ابي شيبة: 51,50/12، ودلائل النبوة للبيهقي: 393/6، واتحاف الخيرة: 7/8.

[4] البدايه: 201/7. [5] الصحيحة: 3188.

ہے، اسے تاریخی روایات کہہ کر بے اصل قرار دینا بھی دراصل سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض کی علامت ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ تو کجا ،بلوائی جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملے اور اپنی شکایت انھیں پیش کی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں مطمئن کردیا تو وہ راضی اور مطمئن ہو کر واپس چلے گئے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے غلام ابوسعید رحمہ اللہ کی صحیح روایت، جس کا ہم ابن ابی شیبہ اور ابن حبان وغیرہ کے حوالے سے ذکر کر آئے ہیں، میں یہ تفصیل موجود ہے۔ اس کے بعد خط کی جو کہانی انھوں نے بنائی اور اس حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو انھوں نے اپنا ہمنوا بنانا چاہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی جس طرح تکذیب کی اس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں، تاریخ خلیفہ بن خیاط [1] میں بھی صحیح سند کے ساتھ امام ابن سیرین رحمہ اللہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بلوائیوں کی باہمی گفتگو اور پانچ باتوں پر اتفاق کا ذکر موجود ہے اور یہ بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کردار ادا کیا تھا۔ یہ روایت گو مرسل ہے مگر جناب ابوسعید رحمہ اللہ کی روایت سے اس کی کچھ تائید ہوتی ہے، اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ان کوششوں کو تاریخی روایات کہہ کر انکار کرنا بہرنوع غلط ہے بلکہ صحیح بخاری، کِتَابُ فَرْضِ الْخُمُسِ، بَابُ مَا جَاءَ فِيْ دِرْعِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لختِ جگر حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

«لَوْكَانَ عَلِيٌّ ذَاكِراً عُثْمَانَ ذَكَرَهُ يَوْمَ جَاءَهُ نَاسٌ فَشَكَوْا سُعَاةَ عُثْمَانَ»

”اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو برا کہنے والے ہوتے تو اس دن کہتے جس دن کچھ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عاملوں کی شکایت کرنے ان کے پاس آئے تھے۔“ [2]

اسی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ایک تحریر دے کر بھیجا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر ہے۔ آپ اپنے عاملوں سے کہیں

[1] تاريخ خليفة: 170,169. [2] صحيح البخاري: 3111.

اس کے مطابق عمل کریں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اس کا علم ہے اس کی مجھے ضرورت نہیں، محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے جا کر یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہہ دی تو انھوں نے فرمایا: کہ یہ تحریر جہاں سے لی تھی وہیں رکھ دو۔

یہ روایت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ناراض نہ تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کن کن عاملوں سے انھیں کیا شکایت تھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس بارے میں عدمِ علم کا اظہار کیا ہے اور نہ یہ ذکر کیا ہے کہ یہ شکایت ان بلوائیوں کی تھی یا ان کے علاوہ کسی اور وقت میں بعض نے شکایت کی تھی، تاہم یہ بات موجود ہے کہ بلوائیوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو کوفہ اور ابن عامر کو بصرہ کا عامل مقرر کرنے کا مطالبہ کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے تسلیم کیا۔

خبث باطن کا مزید اظہار

افسوس یہ ہے کہ اس حوالے سے یہ بھی کہا گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں حالات یہاں تک بگڑ گئے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«وَاللّٰهُ مَا أَعْرِفُ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ شَيْئاً إِلَّا أَنَّهُمْ يُصَلُّوْنَ جَمِيْعاً»

''اللہ کی قسم! میں امت محمد ﷺ میں اس کے سوا اور کچھ نہیں پاتا کہ وہ جماعت سے نماز پڑھتے ہیں۔''[1]

گویا یہ انقلاب بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی غلط پالیسیوں کا نتیجہ تھا، حالانکہ اس سے یہ استدلال اعتقادی کجی اور فکری زیغ کا نتیجہ ہے۔ اوّلاً تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ہوں یا حضرت انس رضی اللہ عنہ، اُن کے اس نوعیت کے اقوال دراصل رسول اللہ ﷺ سے بُعدِ زمانی کی بنا پر ہیں، عملی انحطاط آپ کے کچھ عرصہ بعد شروع ہوا اور بالآخر یہ بڑھتا ہی چلا گیا۔ آپ سے بعد کا عالم تو یہ ہے کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس مبارک اور اہل وعیال کی

[1] صحيح البخاري: 650، كتاب الاذان، باب فضل صلاة الفجر فى جماعة.

مجلس میں قلبی وایمانی کیفیت میں جو فرق محسوس کرتے تھے اس کی بنیاد پر اپنے متعلق وہ نفاق کا شبہ کرتے اور فرماتے «نَافَقَ حَنْظَلَةُ» حنظلہ منافق ہوگیا۔ [1]

یہ فرق تو صرف آپ کی مجلس مبارک اور دوسری مجلسوں میں تھا ،جبکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«وَمَا نَفَضْنَا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَيْدِيْ وَإِنَّا لَفِيْ دَفْنِهِ حَتّٰى أَنْكَرْنَا قُلُوْبَنَا»

''کہ ہم نے ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کی مٹی بھی ہاتھوں سے نہیں جھاڑی تھی اور ہم آپ کے دفن میں مصروف تھے کہ ہم نے اپنے دلوں کی کیفیت بدلی ہوئی محسوس کی۔'' [2]

اس سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بگڑنے کا تصور واستدلال کسی رافضی کا تو ہوسکتا ہے صحیح العقیدہ مسلمان کا نہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور یقیناً وہ نہ تھا جو حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا تھا، اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور سے بھی مختلف تھا لیکن اس کا یہ مقصد قطعاً نہیں کہ یہ سب کچھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پالیسیوں کا نتیجہ تھا بلکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور کی جو عکاسی کی ہے اس کا باحوالہ ذکر پہلے گزر چکا ہے، البتہ بنو امیہ کے دور میں یزید، حجاج اور اس کے ہمنواؤں کا کردار بہرحال بہت مختلف تھا۔ لیکن اس کی ذمہ داری انھی پر ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کی پالیسیوں اور حرکتوں کے قطعاً ذمہ دار نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

«مُرَادُ أَبِي الدَّرْدَاءِ أَنَّ أَعْمَالَ الْمَذْكُوْرِيْنَ حَصَلَ فِيْ جَمِيْعِهَا النَّقْصُ وَالتَّغْيِيْرُ إِلَّا التَّجْمِيْعَ فِي الصَّلَاةِ وَهُوَ أَمْرٌ نِسَبِيٌّ لِأَنَّ حَالَ النَّاسِ فِيْ

[1] مسلم: 6966، كتاب التوبة، باب فضل دوام الذكر. [2] جامع الترمذي: 295/4، وسنن ابن ماجه وغیرہ۔

زَمَنِ النُّبُوَّةِ كَانَ أَتَمَّ مِمَّا صَارَ إِلَيْهِ بَعْدَهُ، ثُمَّ كَانَ زَمَنُ الشَّيْخَيْنِ أَتَمَّ مِمَّا صَارَ إِلَيْهِ بَعْدَهُمَا، وَكَأَنَّ ذٰلِكَ صَدَرَ مِنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ فِيْ أَوَاخِرِ عُمُرِهٖ وَكَانَ ذٰلِكَ فِيْ أَوَاخِرِ خِلَافَةِ عُثْمَانَ، فَيَا لَيْتَ شِعْرِيْ إِذَا كَانَ الْعَصْرُ الْفَاضِلُ بِالصِّفَةِ الْمَذْكُوْرَةِ عِنْدَ أَبِي الدَّرْدَاءِ فَكَيْفَ بِمَنْ جَاءَ بَعْدَهُمْ مِنَ الطَّبَقَاتِ إِلٰى هٰذَا الزَّمَانِ؟»

''حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے اعمال میں نقص اور تبدیلی پیدا ہوگئی تھی سوائے باجماعت نماز پڑھنے کے، یہ نسبتی معاملہ ہے کیونکہ لوگوں کی حالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں بتمام وکمال تھی نسبتاً آپ کے بعد کے دور کے اور پھر شیخین حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے دور میں لوگوں کی حالت بہتر تھی نسبتاً ان کے بعد کے دور کے، یہ بات حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کے آخری دور میں کہی تھی اور ان کا یہ دور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آخری دور تھا۔ ہائے افسوس! جب حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس بابرکت زمانہ کی یہ حالت ہے تو ان کے بعد کے طبقات میں، ہمارے زمانے تک کیا حال ہوگا۔''[1]

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی اس بات میں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے مقابلے میں جو بتدریج انحطاط پیدا ہوا اس کی طرف اشارہ ہے۔ مگر افسوس کہ بعض حضرات سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی دشمنی میں اسے بھی ان کی پالیسیوں کی کمزوری کی ایک دلیل قرار دیتے ہیں۔ فَوَا أَسَفَا .

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر مطاعن اور ان کے بعض اقدامات پر جو اعتراض قدیم وجدید دور میں ہوئے عرصہ ہوا ان کا جواب علمائے کرام دے چکے ہیں (شَكَرَ اللّٰهُ سَعْيَهُمْ) جیسا کہ پہلے ہم ذکر کرآئے ہیں۔ یہاں ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ اس بحث میں جو کج بحثی بعض

---

[1] فتح الباری: 138/2.

خطیب حضرات اپنے خطبات اور اپنی مجالس میں پیدا کرتے ہیں اسے تشت از بام کیا جائے اور سادہ لوح مسلمانوں کو ان کے وساوس سے خبردار کر دیا جائے۔

حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد اعدائے صحابہ کا دوسرا بڑا ہدف حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں، جو سابقین اولین کے بعد یقیناً ﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِإِحْسٰنٍ ﴾ کا مصداق ہیں، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کا اعلان فرمایا ہے، فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ اس غزوہ میں شریک ہونے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بالآخر فرمایا ہے:

﴿ ثُمَّ أَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾

''پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنوں پر سکینت نازل فرمائی۔''[1]

ظاہر ہے کہ اس سکینت کے مستحق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں، غزوۂ حنین سے واپسی پر جعرانہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے لیے احرام باندھا، مروہ پر آپ نے بال کٹوائے تو یہ بال کاٹنے والے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔[2] یہی بال انھوں نے محفوظ کر لیے تھے اور فوت ہوتے ہوئے وصیت کی تھی کہ انھیں میرے منہ اور ناک میں رکھ دیا جائے۔

اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ غزوۂ تبوک میں بھی شریک ہوئے اور اس غزوہ میں شریک ہونے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ ﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا، نبی کو اور مہاجرین وانصار کو جنھوں نے سخت وقت میں نبی کا ساتھ دیا۔''[3]

---

① التوبة 26. ② صحيح البخاري: 1730، ومنهاج السنة: 2/217، فتح الباري: 3/566,565.
③ التوبة 117.

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس اعلانِ معافی میں ظاہر ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں بلکہ اس موقع پر شاہِ روم کا خط پڑھنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیا۔[1] حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ان غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت بجائے خود بہت بڑے شرف و فضل کا باعث ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یقیناً اس بشارت کے مستحق ہیں: ﴿ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ﴾[2] ''جنھوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور قتال کیا ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے۔'' جس کی ضروری تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔اس کے علاوہ وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امین ہیں اور آپ نے انھیں وحی الٰہی کی کتابت کا امین بنایا ہے، چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے بسندِ صحیح ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ «كَانَ يَكْتُبُ الْوَحْيَ»

''کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی تھے۔''[3]

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ المفضل الغلابی نے ذکر کیا ہے کہ زید بن ثابت کاتبِ وحی تھے اور معاویہ مراسلات کے کاتب تھے مگر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بسند صحیح منقول ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی تھے۔[4]

بلکہ حافظ ابن حزم رحمہ اللہ کاتبین وحی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

«وَكَانَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ مِنْ أَلْزَمِ النَّاسِ لِذٰلِكَ ثُمَّ تَلَاهُ مُعَاوِيَةُ بَعْدَ الْفَتْحِ فَكَانَا مُلَازِمَيْنِ لِلْكِتَابَةِ بَيْنَ يَدَيْهِ ﷺ فِي الْوَحْيِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ، لَا عَمَلَ لَهُمَا غَيْرُ ذٰلِكَ»

''کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ کتابت وحی سے متعلق تھے فتح مکہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی یہ ذمہ داری سرانجام دیتے تھے، یہ دونوں حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہمیشہ کتابت وغیرہ کے لیے مستعد رہتے اس کے علاوہ ان

[1] البداية: 16/5، تهذيب ابن عساكر: 114/1، الحلية: 155/9 وغيره. [2] الحديد 10. [3] دلائل النبوة: 342/2. [4] تاريخ اسلام: 309/2.

کی اور کوئی ذمہ داری نہ تھی۔“[1]

منہاج الکرامہ کے رافضی مصنف ابن المطہر الحلی نے کہا تھا کہ:

”معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اہلِ سنت کہتے ہیں کہ وہ کاتب وحی تھے، جبکہ انھوں نے ایک کلمۂ وحی بھی نہیں لکھا وہ صرف خطوط ورسائل لکھتے ہیں۔“[2]

جس کے جواب میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے منہاج السنۃ[3] میں فرمایا ہے کہ یہ علامہ الحلی کا محض دعوی ہے جس کی کوئی دلیل نہیں بلکہ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: «كَانَ يَكْتُبُ الْوَحْيَ فَهُوَمِمَّنِ ائْتَمَنَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰى كِتَابَةِ الْوَحْيِ»

”کہ وہ کاتب وحی تھے اور ان حضرات میں سے تھے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت وحی میں امین بنایا تھا۔“[4]

علامہ نووی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے: «كَانَ أَكْثَرُهُمْ كِتَابَةً زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَمُعَاوِيَةُ» ”ان میں سے اکثر لکھنے کا کام حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کرتے تھے۔“[5] یہی بات علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے تلقیح فهوم اهل العصر[6] اور المدهش،[7] علامہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے تاریخ مدینہ دمشق[8] میں کہی ہے۔ اسی حقیقت کا اظہار قاضی عیاض رحمہ اللہ نے الشفاء میں اور علامہ الخفاجی رحمہ اللہ نے اس کی شرح نسیم الریاض[9] میں، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بتکرار البدایہ[10] میں، علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے تاریخ اسلام[11] اور السیر[12] میں علامہ الفاسی رحمہ اللہ نے العقد الثمین[13] میں علامہ ابن العماد رحمہ اللہ نے شذرات الذهب[14] میں، علامہ عمر بن علی بن سمرۃ رحمہ اللہ نے طبقات فقہاء الیمن[15] میں، علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے لمعۃ الاعتقاد[16] میں، علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے تطہیر الجنان[17] میں اور صاحب مشکوٰۃ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ

---

(1) جوامع السیر، ص: 27. (2) منہاج، ص: 39. (3) منهاج السنة: 214/2. (4) منهاج السنة: 11/4. (5) تهذيب الاسماء: 29/1. (6) تلقیح فهوم اهل العصر، ص: 37. (7) المدهش، ص: 43. (8) تاریخ مدینة دمشق: 55/59. (9) شرح نسیم الریاض: 430/3. (10) البداية: 21/5، 117، 119، 122. (11) تاریخ اسلام: 309/2. (12) السیر: 123/3. (13) العقد الثمین: 91/9. (14) شذرات الذهب: 65/1. (15) طبقات فقهاء اليمن: 43. (16) لمعة الاعتقاد: 79 مترجم. (17) تطهير الجنان، ص: 10.

الخطیب رحمہ اللہ نے اکمال میں کیا ہے کہ وہ کاتب وحی تھے۔

بلکہ امام احمد رحمہ اللہ سے بسند صحیح منقول ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جو کہتا ہے کہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتب وحی تسلیم نہیں کرتا۔ انھوں نے فرمایا:

«هٰذَا قَوْلُ سُوْءٌ رَدِيْءٌ يُجَانِبُوْنَ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمَ وَلَا يُجَالِسُوْنَ وَنُبَيِّنُ أَمْرَهُمْ لِلنَّاسِ»

''کہ یہ برا، ردی قول ہے۔ ایسا خیال رکھنے والوں سے لوگوں کو بچنا چاہیے نہ ہی ان کے پاس بیٹھنا چاہیے، ہم عوام الناس کو ایسے لوگوں سے خبردار کریں گے۔''[1]

اس لیے جو حضرات کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی نہیں تھے،ان کا نظریہ درست نہیں، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی شہادت اور اکثر مؤرخین کا موقف اس کے برعکس ہے۔ حضرت معافی بن عمران رحمہ اللہ نے بھی یہی بات فرمائی ہے۔ جیسا کہ پہلے حوالہ گزر چکا ہے، اس لیے ان کے کاتبِ وحی ہونے کا انکار کسی دلیل پر مبنی نہیں جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے رسائل اور وحی الٰہی پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو امین بنانا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت ومنقبت کے لیے کافی ہے۔ یوں کہیے: کہ بنو امیہ جو ہمیشہ بنو ہاشم کے ساتھ ہر میدان میں برسر پیکار رہے ان میں سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عزت افزائی کے لیے یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیاں ان کے عقد میں دے دیں اور جب بنو امیہ ہی میں سے، ابو سفیان سردارِ مکہ مسلمان ہوئے تو ان کی دلداری کے لیے ان کے گھر میں داخل ہو جانے والوں کے لیے امن کا اعلان فرمایا اور جب ان کے فرزند حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو آپ نے اس

---

[1] السنة للخلال: 434.

کی قدردانی کے لیے اسے اپنا کاتب بنالیا، رہی قرابت داری تو وہ ان کے ایمان لانے سے پہلے ہی سیدہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان کے ساتھ آپ ﷺ کے عقد نکاح سے قائم ہو چکی تھی، عبد الملک بن عبدالحمید المیمونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا: «كُلُّ صِهْرٍ وَنَسَبٍ يَنْقَطِعُ إِلَّا صِهْرِيْ وَنَسَبِيْ» قیامت کے دن میری قرابت داری اور میرے نسب کے علاوہ ہر ایک کے حسب ونسب کا تعلق منقطع ہو جائے گا تو انھوں نے فرمایا: ہاں، یہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے، میں نے کہا: تو کیا یہ تعلق داری حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے؟ انھوں نے فرمایا: بالکل، یہ شرف ان کو حاصل ہے۔[1]

اسی طرح احمد بن حمید ابو طالب رحمہ اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا میں یہ کہوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مومنوں کے ماموں ہیں؟ انھوں نے فرمایا: ہاں معاویہ رضی اللہ عنہ، ام حبیبہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ کے بھائی ہیں اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حفصہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ کے بھائی ہیں، ابو طالب کہتے ہیں کہ: میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے کہا: تو میں کہا کروں کہ: معاویہ رضی اللہ عنہ مؤمنوں کے ماموں ہیں تو انھوں نے فرمایا: ہاں، کہا کرو۔[2] امام حکم بن ھشام رحمہ اللہ، جن کا شمار تبع تابعین میں ہوتا ہے، سے پوچھا گیا: کہ آپ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ انھوں نے فرمایا: «ذٰلِكَ خَالُ كُلِّ مُؤْمِنٍ» وہ ہر مؤمن کے ماموں ہیں بلکہ اس کا اظہار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن اوس رحمہ اللہ ازدی سے فرمایا جو جنگِ صفین میں قیدی بنے تھے کہ: میں تمھارا ماموں کیسے ہوں؟ اس نے کہا: ام حبیبہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ ہیں، اس ناطے وہ ام المؤمنین ہیں اور میں ان کا بیٹا ہوں، جبکہ آپ ان کے بھائی اور میرے ماموں ہیں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر تعجب کیا اور اسے چھوڑ دیا۔ علامہ عمر بن علی بن سمرة رحمہ اللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذکر میں لکھتے ہیں: «ثُمَّ وَلِيَ خَالُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَكَاتِبُ وَحْيِ رَبِّ

---

[1] السنة للخلال: 432. [2] السنة للخلال: 433.

الْعَالَمِيْنَ»[1] ”پھر مومنوں کے ماموں اور رب العالمین کی وحی کے کاتب خلیفہ بنے۔
“یہی بات علامہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے تاریخ دمشق[2] میں کہی ہے۔
قاضی ابویعلی رحمہ اللہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہی انھوں نے یہ رکھا ہے۔ تَنْزِيْهُ خَالِ الْمُؤْمِنِيْنَ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِيْ سُفْيَانَ مِنَ الظُّلْمِ وَالْفِسْقِ فِيْ مُطَالَبَتِهِ بِدَمِ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا۔ جس کے نام ہی میں انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مومنوں کا ماموں قرار دیا ہے۔

یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ قیامت کے دن میری قرابت داری اور میرے نسب، کے علاوہ ہر ایک کے حسب ونسب کا تعلق منقطع ہو جائے گا۔ یہ روایت حضرت مسور بن مخرمہ، عبد اللہ بن عباس، عمر بن خطاب اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے جن کی اسانید پر علامہ البانی رحمہ اللہ نے السلسلة الصحيحة[3] میں تفصیلاً بحث کی ہے اور انھیں صحیح قرار دیا ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق اور رشتہ داری قائم کرنے کے لیے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا تھا اور نکاح ہوگیا جیسا کہ احادیث اور سیرت وتاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے بلکہ نکاح کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے لوگو! ”اَلَا تُهَنِّئُوْنِیْ“ مجھے مبارک کیوں نہیں دیتے؟ میرا رشتہ ناتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قائم ہوگیا ہے۔[4] اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رشتہ داری بھی ان کے فضل وشرف کا ایک بڑا سبب ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں عرباض بن ساریہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا بھی مروی ہے:

«اَللّٰهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ، وَقِهِ الْعَذَابَ»

”اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو کتاب و حساب کا علم عطا فرما اور اسے عذاب سے

---

[1] طبقات فقهاء اليمن: 47. [2] تاريخ دمشق: 55/59. [3] السلسلة الصحيحة، رقم: 2036.
[4] المختارة: 102، طبراني، مجمع الزوائد: 173/9.

محفوظ فرما۔‘‘[1]

اس کی دیگر کتابوں سے تخریج علامہ البانی رحمہ اللہ نے السلسلة الصحیحة[2] میں کی ہے۔ اور اس کے علاوہ عبد اللہ بن عباس، عبد الرحمٰن بن أبي عمیرة المزنی، سلمة بن مخلد رضی اللہ عنہم سے متصلا اور شریح بن عبید، حریز بن عثمان رحمہم اللہ سے مرسلاً اس کے شواہد ذکر کیے ہیں۔

حضرت عبد الرحمٰن بن ابی عمیرۃ رحمہ اللہ کی حدیث کے الفاظ ہیں:

«اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا وَاهْدِهِ وَاهْدِبِهٖ يَعْنِيْ مُعَاوِيَةَ»

’’اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو ھادی و مھدی بنا اور اسے ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والا بنا۔‘‘[3]

امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے یہ حسن غریب ہے۔ علامہ الجوزجانی رحمہ اللہ نے بھی الاباطیل[4] میں حسن کہا ہے علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔[5] مگر علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«رِجَالُهٗ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ رِجَالُ مُسْلِمٍ، فَكَانَ حَقُّهٗ أَنْ يُّصَحَّحَ»

’’اس کے سب راوی ثقہ مسلم کے راوی ہیں، اس کا حق ہے کہ اسے صحیح کہا جائے۔‘‘[6]

اس کے بعد انھوں نے تفصیلاً ان کا رد کیا ہے جو سعید بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے اختلاط یا عبد الرحمٰن بن ابی عمیرہ کے صحابی نہ ہونے کی بنا پر اس پر اعتراض کرتے ہیں اور بالآخر فرمایا: وَبِالْجُمْلَةِ فَالْحَدِيْثُ صَحِيْحٌ. کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی حضرت عرباض کی مذکورۃ الصدر روایت ذکر کرنے کے بعد فرمایا

---

[1] صحیح ابن خزیمة: 1938، وابن حبان: 2278، ومسند أحمد: 345/4 وغیرہ. [2] السلسلة الصحیحة، رقم: 3227. [3] التاریخ الکبیر للبخاری: 327/7، جامع ترمذی، رقم: 3842. [4] الاباطیل: 193/1. [5] تاریخ اسلام: 309/2. [6] الصحیحة: 1969، 615/4. مزید تصحیح: الصحیحة: 3227/7، القسم الاول.

ہے وَلِلْحَدِيْثِ شَاهِدٌ قَوِيٌّ۔ کہ اس کا قوی شاہد ہے۔① حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ روایات البدایہ میں ذکر کی ہیں اور فرمایا ہے کہ فضائل معاویہ رضی اللہ عنہ میں جو موضوع روایات ہیں انھیں میں نے قلم زد کر دیا ہے۔ وَاكْتَفَيْنَا بِمَا أَوْرَدْنَاهُ مِنَ الْأَحَادِيْثِ الصِّحَاحِ وَالْحِسَانِ الْمُسْتَجَادَاتِ۔ اور ہم نے صحیح، حسن اور جید احادیث ذکر کرنے پر اکتفا کی ہے۔② اس لیے امام اسحاق رحمہ اللہ وغیرہ نے جو فرمایا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی روایت صحیح نہیں محل نظر ہے۔ امام ابن عساکر رحمہ اللہ نے بھی امام اسحاق رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کر کے اس پر تعاقب کیا ہے۔ ان کے الفاظ ہیں:

«وَأَصَحُّ مَارُوِیَ فِیْ فَضْلِ مُعَاوِيَةَ حَدِيْثُ أَبِیْ حَمْزَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهٗ كَانَ كَاتِبُ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَدْ أَخْرَجَهٗ مُسْلِمٌ فِیْ صَحِيْحِهٖ، وَبَعْدَهٗ حَدِيْثُ الْعِرْبَاضِ: اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ، وَبَعْدَهٗ حَدِيْثُ ابْنِ أَبِیْ عُمَيْرَةَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا»

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں سب سے صحیح حدیث وہ ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے کاتب تھے، پھر اس کے بعد حضرت عرباض کی حدیث ہے اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو کتاب کا علم دے، پھر اس کے بعد عبد الرحمٰن بن ابی عمیرۃ کی حدیث ہے کہ اے اللہ! اسے ھادی ومھدی بنا۔''③

اس لیے امام اسحاق رحمہ اللہ کا یہ قول درست نہیں بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت میں یہ روایات صحیح ہیں متقدمین ائمۂ کرام امام ابن خزیمہ، امام ابنِ حبان اور امام ترمذی رحمہ اللہ کی آرا بھی ان کے برعکس ہیں۔

علاوہ ازیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار رسول اللہ ﷺ کو وضو کروایا تو آپ نے

① السیر: 124/3. ② البدایۃ: 122/8. ③ البدایۃ: 122/8، الصحیحۃ: 694/7 قسم ثانی.

فرمایا: «يَا مُعَاوِيَةُ! إِنْ وُلِّيتَ أَمْرًا فَاتَّقِ اللّٰهِ وَاعْدِلْ»

''اے معاویہ رضی اللہ عنہ اگر تمھیں امیر بنا دیا جائے تو اللہ سے ڈرنا اور عدل کرنا۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب سے میں نے آپ سے یہ سنا میں سمجھتا تھا کہ میں اس عمل میں آزمایا جاؤں گا،[1] علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «وَلِهٰذَا طُرُقٌ مُقَارِبَةٌ»

''اس کے کئی طرق مقارب ہیں۔''[2]

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسی روایت کے بارے میں فرمایا: إِنَّ لِلْحَدِيْثِ شَوَاهِدَ ''اس حدیث کے کئی شواہد ہیں۔''[3]

علامہ ہیثمی نے تو کہا ہے کہ اس کے راوی الصحیح کے راوی ہیں۔[4] اس لیے یہ کہنا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت میں کوئی روایت صحیح نہیں، درست نہیں۔

بلکہ حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَزَالُ هٰذَا الدِّيْنُ قَائِمًا حَتّٰى يَكُوْنَ عَلَيْكُمْ اثْنَا عَشَرَ خَلِيْفَةً كُلُّهُمْ تَجْتَمِعُ عَلَيْهِ الْأُمَّةُ»

''یہ دین قائم رہے گا حتی کہ تم پر بارہ خلیفے ہوں گے، ان تمام پر امت مجتمع ہو گی۔''[5]

خلافت راشدہ یا خلافت علی منہاج النبوہ کی مدت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس سال بیان کی ہے، جو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت پر مکمل ہو جاتی ہیں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ملوکیت کا دور ہوگا۔ لیکن اس کے یہ معنی قطعاً نہیں کہ خلفائے راشدین کے بعد کا دور قیصر وکسری یا کافر حکمرانوں جیسا ہو گا بلکہ آپ نے خِلَافَةُ النُّبُوَّةِ کے بعد کے امراء اور حکمرانوں کو بھی اس حدیث میں خلیفہ کہا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ تَجْتَمِعُ عَلَيْهِ الْأُمَّةُ ان کی خلافت پر امت کا اتفاق ہوگا، صحیح بخاری میں حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ یہی روایت

[1] مسند امام أحمد: 101/4، ومسند ابی یعلی، رقم: 342 وغیرہ [2] السیر: 131/3. [3] دلائل النبوۃ: 446/2، ابن عساکر: 110/59. [4] مجمع الزوائد: 356/9. [5] سنن أبي داود: 170/4.

رسول اللہ ﷺ سے ان الفاظ میں بیان کرتے ہے۔

«يَكُوْنُ اثْنَا عَشَرَأُمَرَاءَ۔ فَقَالَ كَلِمَةً لَمْ اَسْمَعْهَا۔ فَقَالَ أَبِيْ: اِنَّهٗ قَالَ: كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ»

''کہ بارہ امیر ہوں گے، جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، پھر آپ نے ایک کلمہ بولا جسے میں سن نہ سکا تو میرے والد محترم نے بتلایا کہ آپ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ سب قریشی ہوں گے۔''[1]

بلکہ صحیح مسلم[2] اور ابوداود[3] میں تو ہے: «لَايَزَالُ الْاِسْلَامُ عَزِيْزاً اِلَى اثْنَیْ عَشَرَ خَلِيْفَةً» کہ اسلام بارہ خلفاء تک غالب رہے گا اور وہ قریش میں سے ہوں گے۔ ان احادیث سے واضح ہوتا ہے خَلَافَةُ النُّبُوَّةِ کے بعد کا دور بلاشبہ خلافۃ النبوۃ کا دور نہ تھا بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے دور جیسا نہ تھا۔ عموماً تنزلی کی یہ صورت بدستور قائم رہی لیکن یوں نہیں کہ خَلَافَةُ النُّبُوَّةِ کے بعد اسلام کا دور ہی نہیں رہے گا نہ ہی خلافت قائم رہے گی جیسا کہ عموماً ڈھنڈورا پیٹنے والے کہتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اسی مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

«وَيَجُوْزُ تَسْمِيَةُ مَنْ بَعْدَ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ، خُلَفَاءَ وَاِنْ كَانُوْا مُلُوْكاً وَلَمْ يَكُوْنُوْا خُلَفَاءَ الْأَنْبِيَاءِ، بِدَلِيْلِ مَارَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ فِيْ صَحِيْحَيْهِمَا عَنْ أَبِيْ هُرِيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: كَانَتْ بَنُوْ إِسْرَائِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهٗ نَبِيٌّ، وَإِنَّهٗ لَايَكُوْنُ نَبِيٌّ بَعْدِيْ وَسَتَكُوْنُ خُلَفَاءَ فَتَكْثُرُ، قَالُوْا فَمَاتَأْمُرُنَا؟ قَالَ: فُوْابَيْعَةَ الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ....اَلْحَدِيْثِ، فَقَوْلُهٗ: فَتَكْثُرُ، دَلِيْلٌ عَلٰى مَنْ سِوَى الرَّاشِدِيْنَ فَإِنَّهُمْ لَمْ يَكُوْنُوْا كَثِيْرًا»

---

① صحيح البخاري، رقم: 7222 ② صحيح مسلم، رقم: 4708 ③ ابو داؤد، رقم: 4280.

''جوخلفائے راشدین کے بعد ہوئے انھیں خلفاء کہنا جائز ہے اگر چہ وہ بادشاہ ہوں اور خلفاءِ انبیاء نہ ہوں، اس کی دلیل، صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل کی سیاست وانتظام انبیاء کرتے تھے، جب کوئی نبی فوت ہو جاتا اس کا جانشین نبی ہوتا،میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا بلکہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے، الحدیث۔ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ خلفاء بہت ہوں گے دلیل ہے کہ وہ خلفاء راشدین کے علاوہ ہوں گے کیونکہ خلفاء راشدین تو زیادہ نہیں ہیں۔''[1]

لہٰذا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے بعد ۱۲ خلفاء ہوں گے، بارہ امیر ہوں گے، قریشی ہوں گے، امت کا ان پر اجماع ہو گا تو اسلام ان کے دور میں غالب رہے گا۔ اتنی وضاحتوں کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''خلیفہ'' کہنے سے ناک بھوں چڑھانا ان کے ساتھ محض بغض وعناد کا نتیجہ ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، بادشاہ ہیں، خلیفہ ہیں، امیر ہیں، قریشی ہیں، امت کا ان کی خلافت پر اجماع ہے، ایسا اجماع کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں جوانتشار اور افتراق پیدا ہو گیا تھا وہ ختم ہوگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی ، کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے اور مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کروائے گا۔[2] کے مطابق حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں مصالحت ہو گئی، بکھری ہوئی امت پھر سے ایک خلیفہ پر متفق ہوگئی اور اس سال کا نام ''سَنَةُ الْجَمَاعَةِ'' اتفاق کا سال رکھا گیا اور حضرت معاویہ کی ان اکابر صحابہ نے بھی بیعت کر لی جو جمل وصفین میں دونوں سے الگ تھلگ رہے تھے، جہادِ اسلام اور فتوحات اسلامی کا سلسلہ ازسرنو شروع ہوگیا اور عالم کفر کو جگہ جگہ شکست کھانا پڑی اور سلطنت اسلامی کی حدود سمرقند و بخارا سے لے کر اقصائے مغرب تک، ادھر یمن سے قسطنطنیہ تک پھیلی ہوئی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] مجموع الفتوی: 14/33. مزید تفصیل کے لیے: منهاج السنة: 185/3، شرح العقيدة الطحاوية: 553، وعون المعبود: 171/4، مجموع الفتاوي: 478/4. [2] صحيح البخاري: 3746، 7109.

فرمان کے مطابق اسلام ہر سو غالب تھا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن و تشنیع کرنے والے باتونی جس قدر باتیں کرتے اور پھیلاتے ہیں ان تمام کا جواب علمائے امت (تَقَبَّلَ اللّٰهُ جُهُوْدَهُمْ) اپنی تصانیف میں دے چکے ہیں، جن کے اعادہ کی ضرورت نہیں، طعن کرنے والے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر طعن سے بھی اجتناب نہیں کرتے ہیں، جنھیں خلفاء راشدین ہونے کا شرف حاصل ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو ان سے درجہ ومرتبہ میں کم ہیں اور خلافتی امور میں بھی وہ پوزیشن نہیں جو خلفائے راشدین کی تھی، پھر طعنہ باز اگر ان پر طعن کرتے ہیں تو اس میں تعجب کی چنداں ضرورت نہیں، یہ اپنا اپنا نصیب ہے کہ کچھ کے حصہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق طعنہ زنی اور عیب چینی ہے تو ہم فقراء کے حصہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی پردہ پوشی اور ان کا دفاع ہے کہ جس عظیم ہستی کے وہ ساتھی ہیں اسی نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔ والحمد للّٰه علی ذلك.

اپنا اپنا مقدر اپنا اپنا ہے نصیب

بعض حضرات یہ بات بھی بڑے شدّ ومدّ سے ذکر کرتے ہیں کہ امام نسائی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت میں کوئی حدیث نہیں مگر یہ بھی محل نظر ہے کیونکہ علامہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے امام نسائی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد بالاسناد امام نسائی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ جب ان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

«إِنَّمَا الْإِسْلَامُ كَدَارٍ لَهَا بَابٌ ، فَبَابُ الْإِسْلَامِ الصِّحَابَةُ، فَمَنْ آذٰى الصِّحَابَةَ إِنَّمَا أَرَادَ الْإِسْلَامَ، كَمَنْ نَقَرَ الْبَابَ إِنَّمَا يُرِيْدُ دُخُوْلَ الدَّارِ، قَالَ فَمَنْ أَرَادَ مُعَاوِيَةَ فَإِنَّمَا أَرَادَ الصِّحَابَةَ»

''اسلام کی مثال گھر کی ہے جس کا دروازہ ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اسلام کا دروازہ ہیں، جو کوئی صحابہ کو ایذا پہنچاتا ہے اس کا ارادہ اسلام کو ہدف بنانے کا ہے۔ جیسے

کوئی گھر کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو وہ گھر میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہے، اسی طرح جو معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتا ہے وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر اعتراض کا ارادہ رکھتا ہے۔''[1]

امام نسائی رحمہ اللہ کی یہی بات علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ترتیب المدارک[2] میں بھی ذکر کی ہے، لہٰذا اگر امام نسائی رحمہ اللہ کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت میں کوئی حدیث صحیح نہیں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ کسی اور نے بھی ان کی منقبت میں کسی حدیث کو تسلیم نہیں کیا اور نہ ہی امام نسائی رحمہ اللہ کے اس انکار سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کا جواز ثابت ہوتا ہے بلکہ امام نسائی رحمہ اللہ سے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع منقول ہے۔ اور یہی بات امام وکیع بن جراح اور امام ابو توبہ ربیع بن نافع الحلبی رحمہ اللہ وغیرہ نے کہی ہے: کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے بمنزلہ پردہ کے ہیں جب آدمی پردہ کھول دیتا ہے تو اس سے ماورا پر جری اور دلیر ہو جاتا ہے۔[3] بلکہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تو اسے کوڑوں کی سزا دیتے جو معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرتا تھا۔[4]

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ ایک وتر پڑھتے ہیں انھوں نے فرمایا: چھوڑو، اعتراض نہ کرو، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ نیز فرمایا کہ: وہ فقیہ ہیں۔[5] بلکہ ابن ابی شیبہ[6] میں ہے أَصَابَ السُّنَّةَ ''کہ انھوں نے سنت کے مطابق کیا ہے۔'' جس سے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاں ان کے مقام و مرتبہ کا پتا چلتا ہے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کی نماز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی طرح نہیں دیکھتا۔[7] علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے کہا ہے اس کے راوی الصحیح کے راوی ہیں سوائے قیس بن الحارث کے اور وہ بھی ثقہ ہے[8] اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے

---

[1] التهذيب للمزي: 158/1. [2] ترتيب المدارك: 133/1. [3] ابن عساكر: 210,209/59، البداية: 139/8. [4] البداية: 139/8، ابن عساكر: 211/59. [5] بخاري: 3765,3764. [6] ابن ابي شيبة: 292/2. [7] مسند الشاميين: 163/1، وطبراني. [8] مجمع الزوائد: 357/9.

منہاج السنہ [1] میں یہ روایت معجم البغوی اور ابن بطہ سے نقل کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی دینی بصیرت اور ان کی نماز کے بارے میں صحابہ کی شہادت۔

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے انھیں ان صحابہ میں ذکر کیا ہے جو عہد صحابہ میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ [2] امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی انھیں صاحب فقہ وعلم لکھا ہے۔ [3]

علامہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے امام بیہقی رحمہ اللہ کی سند سے بواسطہ جعفر بن محمد اور وہ قاسم بن محمد سے اور انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِذَا صَلَّى الْأَمِيْرُ جَالِساً فَصَلُّوْا جُلُوْساً» ''کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔'' امام قاسم رحمہ اللہ یہ روایت بیان کر کے فرماتے ہیں: «فَتَعَجَّبَ النَّاسُ مِنْ صِدْقِ مُعَاوِيَةَ» ''لوگوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی سچائی پر تعجب کیا۔'' امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«فَهٰذَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدِنِ الصَّادِقُ يَرْوِيهِ وَيُصَدِّقُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِيْ بَكْرِنِ الصِّدِّيْقِ فِيْمَا يَحْكِيْهِ مِنْ تَصْدِيْقِ النَّاسِ مُعَاوِيَةَ، وَالنَّاسُ إِذْ ذَاكَ مَنْ بَقِيَ مِنَ الصِّحَابَةِ ثُمَّ أَكَابِرِ التَّابِعِيْنَ، وَنَحْنُ نَزْعُمُ أَنَّهُ كَانَ مَنْسُوْخًا»

''یہ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ ہیں جو امام قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے روایت کرتے اور اس کی بھی تصدیق کرتے ہیں جو وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لوگوں سے نقل کرتے ہیں اور اس وقت لوگ باقی ماندہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور پھر اکابر تابعین تھے مگر ہمارا خیال یہ تھا کہ یہ حکم منسوخ ہے۔'' [4]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اور امام قاسم رحمہ اللہ کا بیان ابن ابی شیبہ، [5] طبرانی [6] وغیرہ میں بھی منقول ہے اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے الصحیحۃ [7] میں ذکر کیا ہے۔

---

[1] منھاج السنۃ: 185/3. [2] جوامع السیر: 319، الاحکام: 176/4، واعلام الموقعین: 10/1.
[3] الأم: 14/4. [4] ابن عساکر: 166/59. [5] ابن ابی شیبۃ: 327/2. [6] طبرانی: 76/19.
[7] الصحیحۃ: 1363.

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے:

«مَا كَانَ مُعَاوِيَةُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ مُتَّهِمًا»

''کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرنے میں متہم نہیں۔''[1]

تابعین عظام تو کجا حضرت ابن عباس، ابوذر غفاری، ابوسعید خدری، ابو امامہ، جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہم جیسے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔

امام ابن سیرین رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے: «مُعَاوِيَةُ لَا يُتَّهَمُ فِي الْحَدِيْثِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ» ''معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت میں متہم نہیں ہیں۔''[2] اس بات کا اعتراف علامہ ابن الوزیر رحمہ اللہ نے العواصم میں بھی کیا ہے، چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:

«وَلِذٰلِكَ قَالَ أَبُوْ دَاوٗدَ فِي سُنَنِهٖ ،وَقَدْ رَوٰى حَدِيْثًا عَنْ مُّعَاوِيَةَ، ثُمَّ قَالَ: وَلَمْ يَكُنْ مُّعَاوِيَةُ يُتَّهَمُ فِي الْحَدِيْثِ، وَلَمْ يُنْكِرْ هٰذَا الْقَوْلَ عَلَيْهِ أَحَدٌ مِّنْ أَئِمَّةِ الْحَدِيْثِ»

''اسی لیے امام ابو داود رحمہ اللہ نے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی (حدیث، رقم: 4129) روایت کرنے کے بعد کہا ہے: کہ معاویہ رضی اللہ عنہ حدیث میں متہم نہیں، اس قول پر ائمۂ حدیث میں سے کسی نے انکار نہیں کیا۔''[3]

مگر اس بحث میں علامہ ابن الوزیر رحمہ اللہ کے اوھام میں سے ایک وہم یہ بھی ہے کہ انھوں نے اس کا انتساب امام ابو داود رحمہ اللہ کی طرف کیا ہے، جبکہ یہ قول امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کا ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے یہ روایت امام ابوداود رحمہ اللہ کے واسطہ سے ہی نقل کی ہے اور کہا ہے محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حدیث میں متہم نہیں۔[4] امام احمد رحمہ اللہ نے بھی مسند[5] میں یہ ابن سیرین رحمہ اللہ کا قول قرار دیا ہے۔ اس

---

① المعجم للبغوی : 378/5، مسند امام أحمد : 4/95-102، طبراني : 310/19. ② العلل لأحمد : 285/3، المسند : 93/4، التاريخ الكبير للبخاري : 328/7. ③ العواصم : 624/1.
④السنن الكبرى: 22/1. ⑤ مسند أحمد: 93/4.

اعترافِ حقیقت کے بعد سید ابن ابی القاسم زیدی کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایات پر اعتراض کے جواب میں علامہ ابن الوزیر رحمہ اللہ کا انداز اور ان کے شواہد ومتابعات کا ذکر محض تکلف اور معذرت خواہانہ انداز کا آئینہ دار ہے ،یہی اسلوب ان کا حضرت مغیرۃ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی روایات کے حوالے سے بھی ہے۔سید زیدی اپنے عقیدہ کے مطابق ان حضرات کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محاربات کی وجہ سے فاسق کہتا ہے اور صحیحین میں ان کی روایات پر معترض ہے، اسی تناظر میں علامہ ابن الوزیر رحمہ اللہ نے ان اعتراضات کا جواب دیا اور محدثین کی طرف سے ایک جواب یہ دیا ہے کہ

«أَمَّا أَهْلُ الْحَدِيْثِ فَمَذْهَبُهُمْ أَنَّهُمْ مِّنْ أَهْلِ التَّأْوِيْلِ وَالْاِجْتِهَادِ وَالصِّدْقِ لِكَوْنِهِمْ أَظْهَرُوْا التَّأْوِيْلَ فِيْمَا يَحْتَمِلُهُ۔الخ»

''اہل حدیث کا مذہب یہ ہے کہ صحابہ اہلِ تاویل و اجتہاد اور سچے تھے کیونکہ انھوں نے محتمل امور میں تاویل کی ہے۔''[1]

یہی بات انھوں نے تنقیح مع التوضیح[2] میں اور الروض الباسم[3] میں نقل کی ہے بلکہ العواصم[4] میں کہا ہے کہ جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیرت کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ انھوں نے اپنے محاربین سے کفار کا سا معاملہ نہیں کیا اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی تاویل نہ ہوتی تو وہ انھیں کافر قرار دیتے (ملخصاً) یہی بات محدثین اور ائمہ سلف نے فرمائی ہے کہ ان کی باہمی لڑائیاں تاویل و اجتہاد پر مبنی ہیں، اس لیے ان حروب کی بنا پر انھیں فاسق یا ساقط العدالت قرار دینا درست نہیں۔ان امور کی بنا پر ان پر تنقید خارجیوں،معتزلیوں اور رافضیوں کی ہمنوائی ہے، اہل سنت اس سے بحمد اللہ بری الذمہ ہیں۔ یہ ایک مسلمہ اصولی مسئلہ ہے اس کے بعد دیگر اعذار جنھیں علامہ ابن الوزیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے محض تکلف کا نتیجہ ہے اور زیدیوں کو مطمئن کرنے کی کوشش ہے۔

[1] الروض الباسم: 2/113. [2] تنقیح مع توضیح: 2/443. [3] الروض الباسم: 1/131. [4] العواصم: 1/623.

ہم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ باتیں اس لیے ذکر کی ہیں کہ وہ بہر حال صحابی رسول ہیں، انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ داری کا بھی شرف حاصل ہے اور آپ کے وہ کاتب بلکہ کاتبِ وحی بھی تھے۔ بعض نے اگر ان کی منقبت کی روایات سے انکار کیا ہے تو بعض دیگر حضرات نے ان کے فضائل ومناقب پر بھی کتابیں لکھی ہیں۔ اور ان ہی میں سے ایک مشہور محدث امام ابن أبي عاصم رحمہ اللہ ہیں، اسی طرح امام ابو عمر غلام ثعلب رحمہ اللہ نے ان کے مناقب پر کتاب لکھی، امام ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے حلم معاویہ پر مستقل رسالہ لکھا ہے بلکہ امام ابو عمر رحمہ اللہ کے پاس جو تلامذہ پڑھنے کے لیے آتے، جب تک پہلے وہ یہ کتاب نہ پڑھ لیتے کسی کو کوئی چیز نہیں پڑھاتے تھے۔ ①

اسی طرح ابوالحسن عبد الرحمٰن الجوبری رحمہ اللہ اس وقت تک اپنے کسی تلمیذ کو حدیث نہیں لکھواتے تھے جب تک وہ اس سے پوچھ نہ لیتے کہ تیرا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں موقف کیا ہے؟ اگر وہ انھیں صحابی تسلیم کرتا اور ان کے لیے رحمت کی دعا کرنے کا اعتراف کرتا تو اسے حدیث سناتے۔ ②

امام ابو الفتح القواس رحمہ اللہ کی کتابوں میں ایک جزء فضائلِ معاویہ پر مشتمل تھا۔ چوہے نے اسے کاٹ کھایا، امام قواس مستجاب الدعوات تھے انھوں نے چوہے کے بارے میں بددعا کی تو وہ چھت سے گر کر مر گیا۔ ③ اسی طرح ابو الفتح ابن ابی الفوارس المتوفی (406) اور ابو القاسم السقطی المتوفی (406) وغیرہ نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل جمع کیے ہیں۔

جس سے ائمہ اہل سنت کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں تأثرات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ بلاشبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام معاملات میں مسابقت کا شرف وفضل حاصل ہے، اس اعتبار سے دونوں کے تقابل کو ہم بہر نوع درست نہیں سمجھتے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نہ شرف صحبت کا انکار تھا اور نہ ہی

---

① تاریخ بغداد: 356/2، السیر: 510/15. ② السیر: 415/17، اَلْفَیْصَلُ فِی مُشْتَبِهِ النِّسْبَةِ لِأَبِیْ بَکْرِنِ الْحَازِمِی: 480/2. ③ السیر: 475/16.

اپنے ساتھ تنازعات میں وہ ان کو فاسق سمجھتے تھے۔ بلکہ اس معاملے میں انھیں مجتہد اور متأول قرار دیتے تھے جیسا کہ پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں۔ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبات و مراسلات پر مبنی کتاب نہج البلاغہ، جو روافض کے ہاں معتبر ترین کتاب ہے، میں منقول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے نزاع کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَكَانَ بَدْءُ أَمْرِنَا اِنَّا الْتَقَيْنَا وَالْقَوْمُ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ، وَالظَّاهِرُ أَنَّ رَبَّنَا وَاحِدٌ وَنَبِيَّنَا وَاحِدٌ، وَدَعْوَتَنَا فِي الْاِسْلَامِ وَاحِدَةٌ، لَانَسْتَزِيْدُهُمْ فِي الْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَالتَّصْدِيْقِ بِرَسُوْلِهٖ ﷺ، وَلَا يَسْتَزِيْدُوْنَنَا، اَلْاَمْرُ وَاحِدٌ إِلَّا مَا اخْتَلَفْنَا فِيْهِ مِنْ دَمِ عُثْمَانَ وَنَحْنُ مِنْهُ بُرَاءُ»

”ہمارے واقعہ کی ابتدایوں ہوئی کہ ہم اور اہل شام کی ایک قوم اکٹھے ہوئے اور ظاہر ہے کہ ہمارا رب ایک، ہمارا نبی ایک، ہماری دعوت اسلام ایک ہے، اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق میں ہم ان سے بڑھے ہوئے نہیں ہیں اور نہ ہی وہ ہم سے بڑھے ہوئے ہیں، ہمارا اور ان کا معاملہ ایک ہے مگر ہمارا باہم اختلاف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے معاملے میں ہوا ہے اور ہم اس سے بری الذمہ ہیں۔“[1]

اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اسے کفر واسلام کا مسئلہ نہیں سمجھتے تھے، انھیں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام ومرتبہ کا انکار نہ تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے نتیجہ میں بات طول پکڑ گئی جو زبان وبیان سے بڑھ کر تیر وتلوار تک جا پہنچی۔ حضرت علی بھی اس پر پریشان تھے اور حضرت معاویہ بھی۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تواضع وانکساری ہے کہ وہ دین میں اپنے آپ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے برابر سمجھتے تھے، ورنہ ان کا جو مقام ومرتبہ ہے وہ کسی سے بھی پوشیدہ نہیں بلکہ حضرت

[1] نَهْجُ الْبَلَاغَةِ: 4/161، مَعَ ابْنِ أَبِي الْحَدِيْدِ مِنْ كِتَابٍ لَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلٰى أَهْلِ الْأَمْصَارِ يَقْتَصُّ فِيْهِ مَاجَرٰى بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَهْلِ الصِّفِّيْنِ.

معاویہ رضی اللہ عنہ بھی انھیں اپنے سے بہر حال افضل سمجھتے تھے اور ان کے مقابلے میں اپنی برتری کا کوئی شائبہ اپنے دل میں نہیں پاتے تھے۔ حضرت ابومسلم خولانی ایک جماعت کے ہمراہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملے تو ان سے کہا:

«أَنْتَ تُنَازِعُ عَلِيًّا أَمْ أَنْتَ مِثْلُهُ؟ فَقَالَ وَاللّٰهِ إِنِّيْ لَأَعْلَمُ أَنَّهُ خَيْرٌ مِّنِّيْ وَأَفْضَلُ وَأَحَقُّ بِالْأَمْرِ مِنِّيْ»

''آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جھگڑتے ہیں کیا آپ ان جیسے ہیں؟ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں خوب جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے افضل ہیں اور خلافت کے مجھ سے زیادہ حق دار ہیں۔''[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ قول فتح الباری[2] میں نقل کیا ہے اور اس کی سند کو جید قرار دیا ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیوں لڑتے ہیں؟ وہ آپ سے اور آپ کے باپ سے پہلے مسلمان ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت داری میں بھی وہ آپ سے زیادہ ہیں اور وہ خلافت میں بھی آپ سے زیادہ حق دار ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے بارے میں لڑتا ہوں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو پناہ دے رکھی ہے، انھیں کہیں کہ وہ قاتلین سے قصاص دلا دیں بس اہلِ شام میں سے سب سے پہلے ان کی بیعت کرلوں گا۔[3]

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین اختلاف سے فائدہ اٹھا کر قیصر روم نے جب مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہا تو حضرت معاویہ نے اسے لکھا:

«وَاللّٰهِ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ وَتَرْجِعْ اِلٰى بِلَادِكَ يَالَعِيْنُ! لَأَصْطَلِحَنَّ أَنَا وَابْنُ

---

[1] البداية: 129/8، السير: 140/3، عقيدة السفاريني: 368/2. [2] فتح الباري: 86/13.
[3] البداية: 260/7.

عَمِّیْ عَلَیْكَ وَلَأُخْرِجَنَّكَ مِنْ جَمِیْعِ بِلَادِكَ وَلَأُضَیِّقَنَّ عَلَیْكَ الْأَرْضَ بِمَارَحُبَتْ»

"اے لعین! اللہ کی قسم تو اگر باز نہ آیا اور اپنے علاقے میں واپس نہ گیا تو میں اپنے چچیرے بھائی علی سے صلح کر کے تیرے خلاف نکلوں گا۔ تجھے تیرے تمام شہروں سے نکال دوں گا اور تجھ پر زمین اپنی فراخی کے باوجود تنگ کر دوں گا۔"[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ قیصر روم اس خط سے خوف زدہ ہوا اور واپس پلٹ گیا، یہ مکتوب بھی اس بات کی بین دلیل ہے کہ ان کی باہمی لڑائی کسی ذاتی دشمنی کی بنا پر نہیں تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خبر شہادت جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو وہ آب دیدہ ہو گئے، ان کی اہلیہ نے کہا: آپ ان سے لڑتے رہے ہیں اور آج خبر وفات سن کر رو رہے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«وَیْهكِ إِنَّكَ لَاتَدْرِیْنَ مَافَقَدَ النَّاسُ مِنَ الْفَضْلِ وَالْفِقْهِ وَالْعِلْمِ»

"تجھ پر افسوس تو نہیں جانتی کہ لوگوں کا فضیلت، فقہ اور علم میں کتنا نقصان ہوا ہے۔"[2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ تو کجا جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے ملتے تو فرماتے: «مَرْحَباً یَا بْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَأَهْلًا» "رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے! خوش آمدید۔"[3] حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے تو انھوں نے فرمایا:

«لَوْلَمْ یَكُنْ لَّكَ فَضْلٌ عَلٰی یَزِیْدَ إِلَّا اَنَّ أُمَّكَ امْرَأَةٌ مِنْ قُرَیْشٍ، وَأَمَّهُ امْرَأَةٌ مِنْ كَلْبٍ، لَكَانَ لَكَ عَلَیْهِ فَضْلٌ، فَكَیْفَ وَأُمُّكَ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ»

[1] البدایة: 119/8، تاج العروس: 208/7. [2] البدایة: 130/8. [3] الشریعة: 2468/5.

”آپ کو یزید کے مقابلے میں یہی فضیلت کافی ہوتی کہ آپ کی ماں قریشی ہے اور اس کی ماں بنو کلب کی عورت ہے مگر آپ کی اماں تو (قریشی ہونے کے ساتھ ساتھ) رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی فاطمہ ہیں۔“ ①

اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کیا ان کے پورے گھرانے کو اپنے اور اپنی آل اولاد سے افضل سمجھتے تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مرض الموت میں عبد اللہ بن یزید بن اسد حاضر ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رو رہے ہیں، انھوں نے کہا: امیر المؤمنین! آپ کیوں روتے ہیں؟ اگر آپ فوت ہو گئے تو جنت میں جائیں گے اور اگر زندہ رہے تو لوگوں کو آپ کی ضرورت ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کے والد پر رحمت فرمائے، وہ مجھے نصیحت کرتے تھے اور حجر بن عدی کے قتل سے روکتے تھے۔ ②

بلاشبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ زندگی میں مختلف آزمائشوں میں مبتلا ہوئے، عملاً اور قولاً بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب ورفقاء کے بارے میں انھوں نے اقدام کیا، جب تلواریں ہی چل نکلیں تو زبان سے حرف زنی کیونکر رک سکتی تھی لیکن بالآخر انھیں اس کا احساس ہوا وہ قیامت کے مؤاخذہ سے لرزہ براندام ہوتے اور اپنے آخری ایام میں اپنے ربِ کریم سے عرض کرتے تھے۔

”اے میرے اللہ! میری خطا معاف فرما، لغزش سے درگزر فرما، اپنے حلم سے میری نادانی پر درگزر فرما، جس کی امید تیرے سوا کسی اور سے نہیں، تجھ سے بچ کر بھاگ جانے کی کوئی جگہ نہیں، وہ اپنا چہرہ زمین پر رکھ کر کہتے تھے اے میرے اللہ! آپ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ ”اللہ اس کو نہیں بخشتا جس نے اس سے شرک کیا، اس کے علاوہ وہ جسے چاہے گا بخش دے گا، اے اللہ! مجھے ان میں سے کر دے جن کو تو بخشنا چاہتا ہے۔“ ③

① الشريعة للآجرى: 2470/5 بسند حسن. ② الزهد لابن المبارك، الاصابة: 336/6. ③ البداية: 142/8، السير: 158/3 وغیرہ۔

ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک اور ناخن مبارک تھے، فوت ہونے سے پہلے انھوں نے فرمایا کہ میں جب فوت ہو جاؤں تو یہ میرے منہ اور ناک میں رکھ دینا۔ (ایضاً)

اس لیے اگر بشری تقاضے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ناراضی کے باعث ان سے کچھ باتیں سرزد ہوئیں تو ہمیں ان کی آخری وقت کی دعاؤں کی بدولت ،صحابی اور رسول اللہ ﷺ سے قرابت داری کی بنا پر ان کے حسن خاتمہ پر ہی یقین رکھنا چاہیے اور ان کے معاملے میں کف لسان پر عمل کرنا چاہیے جیسا کہ سلف کے حوالے سے ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں مزید ضروری تفصیل کے لیے ''مشاجرات صحابہ اور سلف کا موقف'' ملاحظہ فرمائیں۔

یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی ہیں کہ پورا عالم اسلام ان کی امارت میں متفق ومتحد رہا اور سندھ سے روم تک کے علاقے اسلامی ریاست میں شامل ہوئے۔ مگر افسوس کہ بعض رفض وتشیع زدہ حضرات، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کو اسلامی فتوحات اور جہاد کا دور قرار دینے میں بھی لیت ولعل سے کام لیتے ہیں بلکہ کہتے ہیں کہ ''خلفائے راشدین کے بعد کا جہاد کوئی اسلامی جہاد نہیں ملک چھیننا اگر اسلامی جہاد ہے تو ہلاکو اور چنگیز نے کم ملک فتح کیے ہیں۔'' نَعُوْذُ بِاللّٰهِ.

گویا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ امارت میں ہونے والا جہاد، ہلاکو اور چنگیز خان جیسے کفار کی ملک گیری مہم کا مصداق ہے، حالانکہ صحیح بخاری میں حضرت امِ حرام رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَوَّلُ جَيْشٍ مِّنْ أُمَّتِي يَغْزُوْنَ الْبَحْرَ قَدْ أَوْجَبُوْا»

''کہ میری امت کا پہلا لشکر جو دریا کے راستے جہاد کرے گا ان پر مغفرت وجنت واجب قرار دے دی گئی ہے۔''[1]

---

[1] صحيح البخاري: 2924، باب ما قيل في قتال الروم وغيره.

میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا میں اس میں شامل ہوں گی؟ آپ نے فرمایا: ہاں، پھر آپ نے فرمایا: «أَوَّلُ جَيْشٍ يَغْزُوْنَ مَدِيْنَةَ قَيْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ»
''کہ مدینہ قیصر پر سب سے پہلے فوج کشی کرنے والے لشکر کو بخش دیا گیا ہے۔''[1]

اسی طرح صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے (جو سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں) ان کے ہاں سے مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے، حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے مسکرانے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: میں نے خواب میں اپنی امت کے کچھ لوگوں کو دیکھا وہ سمندر کے اندر اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے اس طرح سوار ہیں گویا تختوں پر بادشاہ بیٹھے ہیں، حضرت امّ حرام رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں نے عرض کیا جناب میرے لیے دعا کریں اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شریک کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا کی: کہ اے اللہ! اسے ان لوگوں میں شامل فرما دے، پھر آپ سر رکھ کر دوبارہ سو گئے، پھر ہنستے، مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے تو میں نے پوچھا: آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ جو اللہ کی راہ میں جہاد کو جا رہے تھے اس طرح میرے سامنے لائے گئے جیسے بادشاہ تختوں پر بیٹھے ہوئے ہیں، ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دعا فرمایئے اللہ تعالیٰ مجھ کو بھی ان میں شریک کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پہلے لوگوں میں شریک ہو چکی ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ یہ جہاد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیرِ امارت وقیادت 28 ھ میں ہوا، حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا اس لشکر میں شامل تھیں، جب لشکر دریا سے باہر نکلا تو حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا سواری سے گر گئیں اور اسی کے نتیجہ میں ان کا انتقال ہو گیا۔[2]

غور فرمایا آپ نے، کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیادت وسیادت میں اس جہاد کے شرکاء کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''غُزَاةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'' قرار دیا مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے عداوت

---

[1] السلسلة الصحيحة، رقم: 268، حلية الاولياء: 62/2، مسند الشاميين. [2] صحيح البخاري: 6283،6282، 6789،6788.

وبغض میں ہذیان میں مبتلا ان کی جہادی مہمات کو ہلاکو اور چنگیز خان کی ہوس ملک گیری سے تشبیہ دینے میں کس قدر بے باک ہیں۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشیں رہے کہ ''دریا'' میں جہاد اور بحری بیڑے کی اجازت بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہی حاصل کی تھی اور انھی کی سرکردگی میں پہلا بحری بیڑا سمندر میں اترا جس کی بشارت خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی اور اس میں شریک ہونے والے خوش نصیب حضرات کے بارے میں فرمایا کہ ان پر جنت واجب قرار دے دی گئی ہے، اسی میں حضرت ام حرام شہید ہوئیں۔ حافظ ابن کثیر نے ذکر کیا ہے کہ 27 یا 28ھ میں قبرص کو سیدنا معاویہ نے فتح کیا ان کے ساتھ حضرت عبادۃ بن صامت اور ان کی بیوی ام حرام بھی تھیں۔ [1] یہ حدیث حضرت معاویہ کی منقبت اور ان کے جنتی ہونے کی بین دلیل ہے۔ اسی طرح ''مدینہ قیصر'' کی طرف پہلا لشکر بھی 32 یا 33ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں روانہ ہوا بلکہ ان کے دور میں رومی سرزمین پر سولہ مرتبہ پیش قدمی ہوئی اور مختلف علاقے بھی فتح ہوئے، گرمی اور سردی، دونوں موسموں میں یہ حملے جاری رہے، تا آنکہ قسطنطنیہ پر حملہ بھی ان ہی کے دور میں ہوا، ان جنگوں میں حضرت عبد اللہ بن عمر، ابن عباس، ابو ایوب انصاری، عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام بھی شریک ہوئے۔ [2] ان ہی کے عہد میں بلاد افریقہ فتح ہوئے، اللہ تعالیٰ کی نصرت شامل حال رہی۔ افریقہ کے جنگلوں ہی میں تو حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور پھر درندوں اور وحشی جانوروں کو مخاطب ہو کر فرمایا تھا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام یہاں آگئے ہیں تم یہاں سے چلے جاؤ تو تمام وحشی جانور اپنی بلوں سے نکل کر فرار ہو گئے اور وہاں کے لوگ یہ عجیب منظر دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔ [3]

سرزمین روم ہی میں ایک مرحلہ پر دریا عبور کرنے کے لیے حضرت ابو مسلم خولانی نے فرمایا تھا۔ اللہ کا نام لے کر گزر جاؤ، مسلمانوں نے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیے تو تمام لشکر صحیح وسلامت دریا سے گزر گیا اور پانی گھوڑں کے گھٹنوں تک ہی پہنچ پایا، دریا سے

---

[1] البدایۃ: 7/153، 8/118. [2] البدایۃ: 7/157، 8/133. [3] البدایۃ: 8/45، 217، السیر: 3/533.

گزرے تو حضرت ابو مسلم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کسی کی کوئی چیز دریا میں تو نہیں گری تو ایک ساتھی نے کہا میرا تو برا گر گیا ہے، انھوں نے فرمایا میرے پیچھے پیچھے آؤ، وہ دریا میں اتر گئے تو برا لکڑیوں سے لگا ہوا تھا، انھوں نے فرمایا: لے لو اپنا تو برا۔[1] روم کے ساتھ لڑائی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ، ان لڑائیوں میں صحابہ کرام کی شرکت اور ان میں تائید ایزدی کے بعد کیا کوئی سلیم العقل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ان پیش قدمیوں کو معاذ اللہ ہلاکو کی پیش قدمی کی مانند قرار دے سکتا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بعد کسی صحیح العقیدہ مسلمان کے لیے اس کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں یا اُن کی قیادت میں ان مہمات کے بارے میں یہ تصور رکھے کہ ان کے دور میں جہاد نہیں ہوا بلکہ ہوس ملک گیری تھی اور نہ ہی اس کے بعد مزید اس حوالے سے کچھ کہنے کی ضرورت ہے۔ تاہم ماضی قریب کے نامور مؤرخ مولانا قاضی اطہر مبارک پوری رحمہ اللہ نے عہدِ بنو امیہ میں ہونے والے جہاد کے بارے میں جو کچھ فرمایا اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ سے جو کچھ نقل کیا اس کا ذکر ہم ضروری خیال کرتے ہیں، چنانچہ حضرت موصوف رقم طراز ہیں:

''بنو امیہ کا تقریباً پورا دور جو اسلامی غزوات وفتوحات کا شان دار دور ہے، اس انداز میں گزرا ہے کہ جہاد وغزوات میں صحابہ وتابعین، تبع تابعین امیر لشکر ہوتے تھے اور ان کے ساتھ عُبّاد، زہاد، صلحاء اور علماء وفضلاء کی بڑی جماعت ہوا کرتی تھی۔ (جس کے باقاعدہ انھوں نے حوالے دیے ہیں) جن کی برکات وتجربات، تعلیمات و ہدایات اور دعاؤں کے جلو میں اسلامی لشکر کے قدم آگے بڑھ رہے تھے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس دور کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

«كَانَتْ سُوْقُ الْجِهَادِ قَائِمَةً فِيْ بَنِي أُمَيَّةَ لَيْسَ لَهُمْ شُغْلٌ إِلَّا ذٰلِكَ، قَدْ عَلَتْ كَلِمَةُ الْإِسْلَامِ فِيْ مَشَارِقِ الْأَرْضِ وَمَغَارِبِهَا، وَبَرِّهَا

[1] البداية: 261/6، السير: 11/4.

وَبَحْرِهَا، وَقَدْ اَذَلُّوْا الْكُفْرَ وَأَهْلَهٗ، وَامْتَلَأَتْ قُلُوْبُ الْمُشْرِكِيْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ رُعْباً، لَا يَتَوَجَّهُ الْمُسْلِمُوْنَ إِلٰى قُطْرٍ مِّنَ الْأَقْطَارِ إِلَّا أَخَذُوْهُ، وَكَانَ فِي عَسَاكِرِهِمْ وَجُيُوْشِهِمْ فِي الْغَزْوِ الصَّالِحُوْنَ وَالْأَوْلِيَاءُ وَالْعُلَمَاءُ مِنْ كِبَارِ التَّابِعِيْنَ فِيْ كُلِّ جَيْشٍ مِّنْهُمْ شِرْ ذِمَةٌ عَظِيْمَةٌ يَنْصُرُ اللّٰهُ بِهِمْ دِيْنَهٗ»

’’بنو امیہ کے دور میں جہاد کی گرم بازاری تھی۔ اس کے علاوہ ان کا کوئی شغل نہیں تھا، اسلام کا کلمہ مشرق ومغرب اور بحر وبر میں بلند تھا، انھوں نے کفر اور کفار کو سرنگوں کر دیا تھا اور مشرکوں کے قلوب مسلمانوں کے رعب سے بھر گئے تھے، مسلمان جس علاقہ میں چلے جاتے اس کو فتح کر لیتے اور غزوات میں ان کے ہر لشکر میں کبار تابعین ،صلحاء، اولیاء اور علماء کی بڑی جماعت ہوتی تھی، ان کی ذات بابرکات سے اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد فرماتا تھا۔‘‘ [1]

حافظ ابن کثیر نے یہ بھی فرمایا ہے کہ «وَلَمْ تَزَلِ الْفُتُوْحَاتُ وَالْجِهَادُ قَائِمًا عَلٰى مَسَاقِهٖ فِي اَيَّامِهٖ فِي بِلَادِ الرُّوْمِ وَالْفَرَنْجِ وَغَيْرِهِمَا» حضرت معاویہ کے دور میں روم اور فرنگیوں کے شہروں میں ہمیشہ جہاد ہوتا رہا اور فتوحات ہوتی رہیں۔ [2] مگر افسوس جن کے دلوں میں حضرت معاویہ کے خلاف عناد ہے وہ اسے جہاد تسلیم کرنے کے لیے ہی تیار نہیں۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ کے خلاف ہرزہ سرائی

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے مقابلے میں حضرت عائشہ، حضرت طلحہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابۂ کرام کے مابین تنازعات کے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہ کی رائے کی

---

① تدوین سیر ومغازی: 60,59. ② البداية: 111/9.

وجہ سے ان کے بارے میں ہرزہ سرائی کرتے ہوئے یہ بھی کہا گیا:

''شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بہت جھوٹ بولا، جھوٹی روایات کتابوں میں بھر دیں ذرا خوفِ خدا نہ کیا، میرا دعویٰ ہے، آئیں شیخ الحدیث اور نکالیں کہ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ آخر میں پچھتاتے تھے کہ کاش میں پہلے فوت ہوگیا ہوتا، یہ سراسر جھوٹ ہے۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ محدث دہلوی کا مقام و مرتبہ کسی سے مخفی نہیں، اس کے باوصف ہم انھیں معصوم نہیں سمجھتے مگر اس طرزِ تکلم کے بارے میں ہم کیا عرض کریں آپ ہی انصاف سے کہیں یہ اندازِ گفتگو کیا ہے؟

ہمیں اس جسارت پر کوئی تعجب نہیں، جو صاحب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کی جرأت کرتے ہیں اُن سے اِن اکابرِ امت پر یوں طعن و تشنیع کہ ''انھوں نے بہت جھوٹ بولا اور جھوٹی روایتیں کتابوں میں بھر دیں''، ہمارے لیے کچھ اجنبی نہیں۔

وہ ''جھوٹی روایتیں'' کون کون سی ہیں اور کتنی ہیں؟ کاش انھوں نے اس کی وضاحت کی ہوتی اور ہمیں ان کی خبر ہو جاتی لیکن جس روایت کا انھوں نے ذکر فرمایا وہ یہ کہ ''حضرت علی آخر میں پچھتاتے تھے کہ کاش میں پہلے فوت ہوگیا ہوتا۔'' آیئے اس روایت کو دیکھتے ہیں کہ کیا واقعی یہ جھوٹی روایت ہے؟

چنانچہ امام حارث رحمہ اللہ نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا: میرے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس چلیں اور جنگ میں شریک نہ ہونے کی میری طرف سے معذرت کریں تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: معذرت آپ کیا کریں گے وہ میرے پاس کھڑے کہہ رہے تھے:

«يَا حَسَنُ! لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هٰذَا بِعِشْرِيْنَ سَنَةً»

''اے حسن! کاش میں اس سے بیس سال پہلے فوت ہوگیا ہوتا۔''[1]

---

[1] بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث: 764/2، رقم: 757.

یہ روایت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے المطالب العالیہ[1] میں بھی ذکر کی ہے اس کی سند صحیح ہے، یہی قول شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے منہاج السنۃ[2] میں بھی ذکر کیا ہے۔

یہی روایت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام مسدد رحمہ اللہ کی سند سے بھی بیان کی ہے اور اس میں عشرین سنۃ کی بجائے بِکَذَا وَکَذَا سَنَةً کے الفاظ ہیں اور اس کی سند بھی صحیح اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں جیسا کہ المطالب کے محقق نے فرمایا ہے۔ علامہ البوصیری رحمہ اللہ نے یہی قول اتحاف الخیرہ[3] میں بھی ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ یہ اثر المصنف،[4] امام نعیم بن حماد رحمہ اللہ کی کتاب الفتن،[5] امام احمد رحمہ اللہ کی السنہ،[6] طبرانی کبیر،[7] المستدرک،[8] السنۃ للخلال،[9] البدایہ،[10] میں مختلف اسانید سے مروی ہے اور علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے مجمع الزوائد[11] میں کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔

علامہ البوصیری رحمہ اللہ اور علامہ ہیثمی رحمہ اللہ وغیرہ کا اس اثر کی سند کو صحیح اور حسن قرار دینے کے بعد ضرورت تو نہیں رہتی کہ اس کے راویوں پر بحث کی جائے، تاہم رفع اشتباہ کی خاطر اور اس حقیقت کو مدلل طور پر مبرہن کرنے کے لیے اس کے راویوں کی پوزیشن قارئین کرام کے سامنے عرض کیے دیتے ہیں تاکہ نصف النہار کی طرح واضح ہو جائے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے بارے میں یہ تاثر دینے والے خود کتنے ''سچے'' اور کس قدر ''خوفِ خدا'' رکھنے والے ہیں؟ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ المطالب العالیہ میں امام مسدد رحمہ اللہ کی مسند سے اس کی سند یوں نقل کرتے ہیں:

«حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ شُعْبَةَ حَدَّثَنِيْ أَبُوْ عَوْنٍ عَنْ أَبِی الضُّحٰی قَالَ: قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ صُرَدٍ لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ رضی اللہ عنہ: أَعْذِرْنِیْ عِنْدَ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ

---

[1] المطالب العالیۃ، رقم: 4406، 144/35. [2] منہاج السنۃ 180/3. [3] اتحاف الخیرۃ: 17/8.
[4] المصنف: 282/15،-286 . [5] کتاب الفتن: 78/1-80-99. [6] السنۃ: 556/2-589. [7] طبرانی کبیر: 114,113/1. [8] المستدرک: 373/3. [9] السنۃ للخلال، ص: 474. [10] البدایۃ: 241/7.
[11] مجمع الزوائد: 150/9.

فَقَالَ الْحَسَنُ: لَقَدْ رَأَيْتُهُ يَوْمَ الْجَمَلِ وَهُوَ يَلُوْذُبِي وَهُوَ يَقُوْلُ: وَدِدْتُ أَنِّي مِتُّ قَبْلَ هٰذَا بِكَذَا وَكَذَا سَنَةً»[1]

اس سند کے پہلے راوی یحییٰ رحمہ اللہ ہیں جو معروف امام یحییٰ بن سعید قطان رحمہ اللہ ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «ثِقَةٌ مُتْقِنٌ حَافِظٌ إِمَامٌ قُدْوَةٌ»[2]

ان کے استاد امام شعبہ بن حجاج رحمہ اللہ ہیں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«ثِقَةٌ حَافِظٌ مُتْقِنٌ اَمِيرُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الْحَدِيْثِ»[3]

ان کے استاد ابوعون محمد بن عبداللہ الثقفی رحمہ اللہ ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا فیصلہ ہے: ثِقَةٌ۔[4]

ان کے استاد ابوالضحی مسلم بن صبیح الہمدانی رحمہ اللہ تابعی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ثِقَةٌ فَاضِلٌ۔[5]

اور ان کے شیوخ میں سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ کا ذکر موجود ہے۔[6]

یہی روایت امام حارث بن محمد بن ابی اسامہ نے المسند میں عبدالرحمٰن بن غزوان ابونوح قراد سے، جیسا کہ بغیۃ الباحث عن زوائد مسند الحارث[7] میں اور المطالب[8] میں ہے، ابن ابی شیبہ[9] نے ابواسامہ حماد بن اسامہ سے، نعیم بن حماد نے الفتن[10] میں امام ابن المبارک سے، یہ تینوں حضرات امام شعبہ سے بیان کرتے ہیں، اس کے علاوہ بھی اس اثر کے مزید طرق محولہ کتب میں موجود ہیں۔

یہاں استیعاب مقصود نہیں، بتلانا صرف یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول صحیح اور حسن اسانید سے ثابت ہے اور اسی سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بارے میں ہرزہ سرائی کرنے والے کی صداقت ودیانت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے انکار کا

---

① المطالب: 4405. ② تقریب، ص: 375. ③ تقریب، ص: 145. ④ تقریب، ص: 309. ⑤ تقریب، ص: 335. ⑥ التہذیب: 4/200 وغیرہ. ⑦ بغیۃ الباحث، رقم: 757. ⑧ المطالب، رقم: 4406. ⑨ ابن ابی شیبۃ: 15/288. ⑩ الفتن: 1/80.

پس منظر یہ ہے کہ اگر اسے صحیح تسلیم کرلیا جائے تو ان تنازعات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے موقف کو اجتہاد اور تاویل پر مبنی قرار دینا پڑے گا اور اس سے طاعنین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موہوم عمارت زمین بوس ہوجائے گی۔

اس کے علاوہ حسبِ ذیل روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ یہی روایت امام عبداللہ بن احمد نے السنة [1] میں ذکر کی ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات صفین یا جمل کے موقعہ پر فرمائی تھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے التاریخ الکبیر [2] میں ذکر کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمرو رضی اللہ عنہ کو ڈانٹا کہ تم جنگ میں پیچھے کیوں رہے ہو، عمرو رضی اللہ عنہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ملے تو انھوں نے فرمایا: تم پریشان نہ ہو اللہ کی قسم! میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صفین کے روز سنا، فرماتے تھے:

«لَيْتَ أُمِّيْ لَمْ تَلِدْنِيْ وَلَيْتَ أَنِّيْ مِتُّ قَبْلَ الْيَوْمِ»

''کاش میری ماں مجھے نہ جنتی اور کاش میں آج سے پہلے فوت ہوجاتا۔''

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صفین کے دن فرمایا:

«لَوْ عَلِمْتُ أَنَّ الْأَمْرَ يَكُوْنُ هٰكَذَا مَا خَرَجْتُ»

''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا تو میں اس لڑائی کے لیے نہ نکلتا۔''

بلکہ اس کے ساتھ انھوں نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے، جنھیں انھوں نے اپنی طرف سے حکم مقرر کیا تھا، فرمایا: «اِذْهَبْ يَا أَبَا مُوْسٰى فَاحْكُمْ وَلَوْ خَرَّ عُنُقِيْ»

''ابوموسیٰ جاؤ کوئی فیصلہ کرو اگرچہ میری گردن نیچے ہوجائے۔'' [3]

اس اثر کے بھی تمام راوی ثقہ وصدوق ہیں مگر یہ مرسل ہے لیکن اس کی تائید ایک اور مرسل سے بھی ہوتی ہے جسے قاضی ابویوسف نے کتاب الآثار [4] میں بواسطہ امام ابوحنیفہ،

---

[1] السنة : 555/2. [2] التاريخ الكبير : 384/6. [3] ابن أبي شيبة : 293/15. [4] كتاب الآثار: 208.

موسیٰ بن ابی کثیر نقل کیا ہے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت ابوموسیٰ سے فرمایا: «خَلِّصْنِي مِنْهَا وَلَوْ بِعِرْقِ رَقَبَتِيْ»

''میری اس سے جان چھڑا دیں اگرچہ میری گردن کی رگ کٹ جائے۔''

ان جنگوں میں فریقین ایک دوسرے کے مقتولین کو تلاش کرتے اور باہم مل کر ان کی تدفین کرتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی نماز جنازہ پڑھاتے۔ ①

بلکہ 40ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرلی، چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی خدمت میں یہ خط لکھا کہ امت ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل ہوگئی آپ عراق کے حاکم اور میں شام کا حاکم ہوں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس بات کو قبول کرلیا۔ فریقین ایک دوسرے کے ساتھ لڑنے سے رک گئے۔ لشکروں کو اپنے اپنے شہروں میں بھیج دیا گیا اور اسی پر عمل صلح قائم دائم رہا۔ ②

قابل غور بات یہ ہے کہ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمنوا حضرات کے ''باغی'' ثابت ہوجانے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ان سے مصالحت کس نص کی بنیاد پر تھی؟ حضرت ابوموسیٰ سے تحکیم کے معاملے میں جان بخشی کروانے کے کیا معنی تھے؟ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے اپنی پریشانی کا اظہار کیوں کرتے؟

لہٰذا یہ کہنا کہ ''شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے جھوٹی روایتیں کتابوں میں بھردیں۔'' بجائے خود جھوٹ ہے ہمیں بتلایا جائے کہ ابن ابی شیبہ وغیرہ کتب کے حوالہ سے جو روایات ہم نے ذکر کیں اور علامہ ہیثمی رحمہ اللہ، علامہ بوصیری رحمہ اللہ وغیرہ سے ان کی تحسین و تصحیح نقل کی ان میں کون سا راوی جھوٹا اور کذاب ہے؟ اگر یہ عذر پیش کیا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت حسن سے اپنی پریشانی کا اظہار جنگ جمل کے بارے میں تھا تو یہ عذر، عذرِ گناہ بدتر از گناہ کے قبیل سے ہے، کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف جنگ جمل میں

① البداية: 278/7، منهاج السنة: 108/4. ② البداية: 323/7، تاريخ طبري: 81/5، الكامل لابن اثير: 385/3، المنتظم: 163/5.

راجح اور درست نہیں تھا؟ جنگ صفین کی طرح جب جمل میں بھی ان کا موقف راجح تھا تو پھر یہ پچھتاوا چہ معنی دارد؟ بعض طرق میں صفین کا ذکر بھی اس عذر لنگ کے ابطال پر برہان ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان اقوال اور بالآخر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان کی مصالحت کی بنا پر ہی شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

«بَلْ كَانَ فِيْ آخِرِ الْأَمْرِ يَطْلُبُ مُسَالَمَةَ مُعَاوِيَةَ وَمَهَادَنَتَهُ وَأَنْ يَكُفَّ عَنْهُ كَمَا كَانَ يَطْلُبُ مُعَاوِيَةُ ذٰلِكَ اَوَّلَ الْأَمْرِ، فَعُلِمَ أَنَّ ذٰلِكَ الْقِتَالُ وَاِنْ كَانَ وَاقِعاً بِاجْتِهَادٍ فَلَيْسَ هُوَ مِنَ الْقِتَالِ الَّذِيْ يَكُوْنُ مُحَارِبُ اَصْحَابِهِ مُحَارِباً لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهِ»

''حضرت علی رضی اللہ عنہ آخر کار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت اور لڑائی سے بچنے کے طلب گار تھے، جیسا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ابتداء ہی سے ایسا چاہتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ ان کے مابین لڑائی اگرچہ اجتہاد (کے مختلف ہونے) کی بنا پر ہوئی لیکن یہ اس نوعیت کی لڑائی نہ تھی جس میں حصہ لینے والے گویا اللہ اور اس کے رسول کے لیے جنگ کرنے والے ہیں۔''[1]

بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ بھی منقول ہے کہ انھوں نے ان جنگوں میں حصہ نہ لینے والوں کے بارے میں فرمایا: یہ بہترین مقام ہے جس پر عبداللہ بن عمر اور سعد بن مالک رضی اللہ عنہم قائم ہیں اگر وہ اچھا ہے تو اس کا بہت بڑا اجر ہے اور یہ برا ہے اس کا نقصان بہت کم ہے۔[2]

جنگ صفین سے واپسی پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

«اَيُّهَا النَّاسُ لَا تَكْرَهُوْا اِمَارَةَ مُعَاوِيَةَ فَإِنَّكُمْ لَوْ فَقَدْتُّمُوْهُ رَأَيْتُمُ الرُّءُوْسَ تَنْدُرُ عَنْ كَوَاهِلِهَا كَأَنَّهَا الْحَنْظَلُ»

''لوگو! معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کو ناپسند نہ کرو اگر تم نے انھیں گنوا دیا تو تم سروں کو

---

[1] منهاج السنة: 234/2. [2] منهاج السنة: 180/3، تاريخ الاسلام للذهبی: 553/1.

دھڑوں سے یوں جدا دیکھو گے جیسے حنظل ہوتے ہیں۔‘‘[1]

وہ آپس میں ضرور لڑے مگر انھوں نے اسے کفر واسلام کی یا حق و باطل کی لڑائی نہیں سمجھا بلکہ ان لڑائیوں میں فریقین اپنے اپنے مقتولین کو تلاش کرتے اور باہم مل کر ان کی تدفین کرتے[2] اور فریقین کی نماز جنازہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پڑھاتے اور فرماتے ہمارے بھائیوں نے ہم سے بغاوت کی اور تلوار نے ان کا معاملہ صاف کر دیا۔[3] مولانا مودودی لکھتے ہیں:

’’یہ مقدس انسان جب آپس میں لڑ بھی جاتے تھے تو ان کی لڑائی میں بھی رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ ہونے کی ایک انوکھی شان پائی جاتی تھی، بے شک وہ جمل اور صفین میں ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہوئے ہیں مگر کیا دنیا کی کسی خانہ جنگی میں آپ فریقین کو ایک دوسرے کے ساتھ لڑتے ہوئے بھی ایک دوسرے کا احترام ملحوظ رکھتے دیکھتے ہیں جو ان بزرگوں کی لڑائی میں نظر آتا ہے، وہ نیک نیتی کے ساتھ اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہوئے لڑتے تھے، نفسانی عداوتوں اور اغراض کی خاطر نہیں لڑتے تھے، انھیں افسوس تھا کہ دوسرا فریق ان کی پوزیشن غلط سمجھ رہا ہے اور خود غلط پوزیشن اختیار کرتے ہوئے بھی اپنی غلطی محسوس نہیں کر رہا ہے، وہ ایک دوسرے کو فنا کر دینے پر تلے ہوئے نہیں تھے بلکہ اپنی دانست میں دوسرے فریق کو راستی پر لانا چاہتے تھے، ان میں سے کسی نے کسی کے ایمان سے انکار نہیں کیا، اس کے اسلامی حقوق سے انکار نہیں کیا بلکہ اس کی فضیلت اور اس کی اسلامی خدمات کا انکار بھی نہیں کیا، انھوں نے ایک دوسرے کو ذلیل ورسوا کرنے کی کوشش نہیں کی، لڑنے میں انھوں نے لڑائی کا حق ضرور ادا کیا مگر لڑ کر گر جانے والے کے لیے وہ سراپا رحمت وشفقت تھے اور گرفتار ہو جانے والے پر مقدمہ چلانا اور اس کو سزا دینا یا اس کو ذلیل وخوار کرنا تو درکنار، قید رکھنا اور کسی درجے میں بھی نشانہ عتاب بنانا تک انھوں نے گوارا نہ کیا، ذرا دیکھیے عین موقع پر جبکہ جنگ جمل میں دونوں فوجیں آمنے سامنے کھڑی ہوئی ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو پکارتے ہیں اور وہ ان سے ملنے کے لیے نکل آتے ہیں، دونوں میں سے کسی کو بھی

[1] البدایۃ: 131/8، منہاج [illegible] [2] البدایۃ 277/7 [3] منہاج 108/4.

دوسرے سے یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ وہ اس پر اچانک حملہ کر دے گا، صفوں کے درمیان دونوں ایک دوسرے سے بغلگیر ہو کر روتے ہیں، دونوں طرف کی فوجیں یہ دیکھ کر حیران رہ جاتی ہیں کہ یہ ایک دوسرے سے لڑنے آئے تھے اور اب گلے مل کر رو رہے ہیں، دونوں تنہائی میں بات کر کے اپنی اپنی فوجوں کی طرف پلٹ جاتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج والے ان سے پوچھتے ہیں کہ امیر المومنین! آپ عین لڑائی کے موقع پر ننگے سر ایک شخص سے تنہا ملنے چلے گئے؟ جواب میں فرماتے ہیں، جانتے ہو وہ شخص کون تھا؟ وہ صُفِيَّةُ عَمَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا تھا میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بات یاد دلائی، اس نے کہا، کاش! یہ بات مجھے پہلے یاد آجاتی تو میں آپ کے مقابلے میں لڑنے نہ آتا، لوگ اس پر کہتے ہیں الحمدللہ، اے امیر المومنین! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاہسوار اور حواری ہیں، ہم کو ان ہی کا سب سے زیادہ خوف تھا دوسری طرف حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پلٹ کر اپنی فوج میں جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شرک اور اسلام میں جب کبھی کسی لڑائی میں شریک ہوا ہوں، مجھے اس میں بصیرت حاصل تھی مگر اس لڑائی میں نہ میری رائے میرا ساتھ دیتی ہے نہ بصیرت......

یہ شان تھی ان لوگوں کی آپس کی لڑائی کی، وہ تلوار بھی ایک دوسرے پر اٹھا کر رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ہی رہتے تھے، ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی قدر، عزت، محبت، اسلامی حقوق کی مراعات، اس شدید خانہ جنگی کی حالت میں بھی جوں کی توں برقرار رہی۔ اس میں سرِ مو فرق نہ آیا۔ بعد کے لوگ کسی کے حامی بن کر ان میں سے کسی کو گالیاں دیں تو یہ ان کی اپنی بدتمیزی ہے مگر وہ لوگ آپس کی عداوت میں نہیں لڑے تھے اور لڑ کر بھی ایک دوسرے کے دشمن نہ ہوئے تھے۔[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ جنگ صفین کی رات نکلے تو اہل شام کی طرف نظر اٹھا کر فرمایا: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَلَهُمْ» ''اے اللہ مجھے اور انھیں معاف فرما دے۔''[2] صحیح سند سے یزید بن الاصم سے منقول ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صفین کے مقتولین کے

[1] رسائل و مسائل جلد سوم: 170-177. [2] ابن ابی شیبة: 297/15.

بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: «قَتْلَانَا وَقَتْلَاهُمْ فِي الْجَنَّةِ» ”ہمارے اور ان کے مقتولین جنتی ہیں۔“[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس بیان کی تائید تو حدیث پاک سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ حضرت طارق بن اشیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«بِحَسْبِ أَصْحَابِيْ الْقَتْلُ»

”میرے صحابہ کے لیے (ان کی خطاؤں کا کفارہ) قتل کافی ہے۔“[2]

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے کہا ہے اس کے تمام راوی الصحیح کے راوی ہیں۔ اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے الصحیحہ[3] میں ذکر کیا ہے۔ علامہ المناوی رحمہ اللہ اسی حدیث کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فتنوں کے دور میں باہمی قتال اگر خطا کی بنا پر ہے تو اس میں ان کا قتل ہو جانا ہی ان کا کفارہ ہے اور جو ان میں راہ ثواب پر ہیں وہ شہید ہیں۔[4] بلکہ ان فتنوں کے تناظر میں ہی نہیں کسی اور پس منظر میں بھی اگر کوئی صحابی تلوار کی زد میں آئے ہیں تو حدیث کا عموم اس کو بھی شامل ہے اور یہ ضرب اس کے کفارہ کا باعث ہے۔

ابو یسرۃ عمرو رحمہ اللہ بن شرجیل کا شمار حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشد تلامذہ میں ہوتا ہے، جو نہایت عابد وزاہد اور ثقہ تابعین میں شمار ہوتے ہیں، بسند صحیح ان سے منقول ہے کہ میں نے خواب دیکھا کہ میں جنت میں ہوں میں نے وہاں خوبصورت مکانات دیکھے میں نے پوچھا یہ مکانات کن کے ہیں تو مجھے کہا گیا کہ یہ ذی الکلاع اور حوشب کے ہیں، یہ دونوں جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور دوران جنگ شہید ہو گئے تھے۔ عمرو بن شرجیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے کہا: حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی کہاں ہیں تو

---

[1] ابن أبي شيبة : 303/15، سنن سعيد بن منصور : 398/2، مجمع الزوائد : 357/9. [2] مسند أحمد : 472/3، مجمع الزوائد : 243/7 وغيره. [3] الصحيحة : 1346. [4] اليسير بشرح جامع الصغير : 431/1.

انھوں نے جواب دیا وہ اس سے آگے جنت میں ہیں، میں نے کہا انھوں نے تو ایک دوسرے کو قتل کیا ہے تو مجھے جواب دیا گیا۔ «إِنَّهُمْ لَقُوْا اللّٰهَ فَوَجَدُوْهُ وَاسِعَ الْمَغْفِرَةِ» ''کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی تو اسے بڑا وسیع مغفرت والا پایا۔''①

امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«هُمْ أَهْلُ الْجَنَّةِ لَقِيَ بَعْضُهُمْ بَعْضاً فَلَمْ يَفِرَّ أَحَدٌ مِنْ أَحَدٍ»

''وہ سب جنتی ہیں وہ ایک دوسرے سے لڑے ان میں سے کوئی بھی میدان چھوڑ کر نہیں بھاگا۔''②

سیدنا عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما آپ کے پاس بیٹھے ہیں، میں نے سلام عرض کیا اور بیٹھ گیا، میں بیٹھا ہی تھا کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کو لایا گیا۔ دونوں کو ایک کمرے میں داخل کر کے دروازہ بند کر دیا گیا، میں دیکھ رہا تھا جلد ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ باہر آئے وہ فرما رہے تھے: ربِ کعبہ کی قسم میرے حق میں فیصلہ ہوا، پھر جلد ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باہر آئے وہ فرما رہے تھے: ربِ کعبہ کی قسم مجھے معاوف کر دیا گیا ہے۔③

محمود بن المفضل ابو الغنائم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے خواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ معاویہ پر لعنت کی جائے یا رحمت کی دعا کی جائے؟ انھوں نے فرمایا:

«اَلْمُسْلِمُ لَايَلْعَنُ اَلْمُسْلِمَ وَلَا يُلْعَنُ»

''کہ مسلمان کو نہ لعنت کی جاتی ہے نہ مسلمان لعن وطعن کرتا ہے۔''④

جس سے حضرت معاویہ یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تنازعات کی

---

① ابن أبي شيبة: 290/15، سنن سعيد بن منصور: 393/2، ابن سعد: 264/3، السنن الكبرى للبيهقى: 174/8، المعرفة والتاريخ: 314/3، السير: 438/1. ② البداية: 278/7. ③ البداية: 130/8.
④ معجم السفر: 350.

حیثیت اور ان مشاجرات میں شریک ہونے والوں کے بارے میں بھی سلف کے موقف کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص فتح مکہ سے پہلے ماہ صفر 8 ہجری میں ہجرت کر کے حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کے ہمراہ مدینہ طیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا، ان کے آنے پر آپ نے خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا: «رَمَتْكُمْ مَكَّةُ بِفَلْذَاتِ كَبِدِهَا» ”مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمھاری طرف اچھال دیا ہے۔“[1] تمام عرب میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی ذہانت وفطانت، دانائی اور حرب وضرب کی صلاحیتوں کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان ہی خوبیوں کے اعتراف کا نتیجہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اسلام لانے کے صرف چار ماہ بعد جمادی الثانی 8 ہجری میں ایک لشکر جہاد کے لیے روانہ کیا جو سریہ ذات السلاسل کے نام سے مشہور ہے، اس لشکر کا سپہ سالار حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو بنایا، جس میں بالآخر حضرت ابو بکر صدیق، عمر فاروق اور ابو عبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہم جیسے اکابر صحابہ بھی شامل تھے۔ جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ذمہ داریوں کی تعیین افضلیت واسبقیت کی بنا پر ہی نہیں ہوتی بلکہ صلاحیت اور فہم وفراست کی بنا پر بھی ہوتی ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: اپنے کپڑے اور ہتھیار لے کر میرے پاس آؤ، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ گھر سے تیار ہو کر آئے تو آپ وضو کر رہے تھے، آپ نے نگاہ اٹھا کر انھیں دیکھا، پھر فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ تمھیں ایک لشکر کا سربراہ بنا کر بھیجوں، ساتھ ہی یہ خوش خبری بھی سنا دی کہ اس معرکے میں تم فتح یاب ہو گے اور مال غنیمت بھی حاصل ہو گا، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے فوراً عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے مال کے لیے اسلام قبول نہیں کیا، میں نے اسلام ہی کے لیے اسلام قبول کیا ہے اور اسلام لانے کا

---

[1] تاریخ دمشق: 16/219.

مقصد یہ ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نصیب ہو جائے، آپ نے ارشاد فرمایا: «نِعِمَّا بِالْمَالِ الصَّالِحِ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ» ''نیک آدمی کے پاس اچھا مال سب سے بہترین مال ہے۔''[1] جس سے رسول اللہ ﷺ کے ہاں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کی صالحیت اور صلاحیت نمایاں ہوتی ہے، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ فاتح مصر ہیں، طرابلس وغیرہ بھی انھیں کے ہاتھوں فتح ہوا مگر افسوس کہ ان کے بارے میں کہنے والے کہتے ہیں۔

''وہ ظالم تھا اس نے جھوٹ بولا، یہ وہی ہے جو مہاجرین کے تعاقب میں کفارِ مکہ کا نمائندہ بن کر حبشہ گیا تھا۔''

اس قسم کی لچر زبان کسی رافضی ہی کی ہوسکتی ہے، مسلک سلف سے وابستہ کسی اہل سنت سے اس کی قطعاً توقع نہیں۔ خبث باطن کا اندازہ کیجیے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو نیچا دکھانے کے لیے ان کے اسلام لانے سے پہلے کے ایک واقعہ سے بھی ان کی کردار کشی کی جسارت کی جاتی ہے۔ حالانکہ اسلام لاتے ہوئے انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ ایک شرط پر میں اسلام قبول کرتا ہوں، آپ نے فرمایا: کہو کیا شرط ہے، انھوں نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ میرے پہلے تمام گناہ معاف کر دے گا؟ آپ نے فرمایا: تمھیں معلوم نہیں اسلام لانے سے سابقہ سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور ہجرت اور حج سے بھی پہلے کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِبْنَا الْعَاصِ مُؤْمِنَانِ، هَشَّامٌ وَعَمْرٌو»

''عاص کے دو بیٹے مومن ہیں، ہشام اور عمرو رضی اللہ عنہما۔''[3]

علامہ البانی رحمہ اللہ نے السلسلة الصحيحة[4] میں اسے ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ''اس

---

[1] مسند امام أحمد: 4/197-202، الادب المفرد: 299، ابن حبان: 1089، الحاکم: 2/2.

[2] مسلم: 121 وغیرہ . [3] مسند امام أحمد: 2/304، 327، 353,354، المستدرك: 3/452، ابن سعد: 4/191 وغیرہ سَنَدُهٗ حَسَنٌ . [4] السلسلة الصحيحة، رقم: 156.

کی سند حسن ہے، امام حاکم رحمہ اللہ اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اس پر کوئی حکم نہیں لگایا، جبکہ ان کا اسلوب یہ ہے وہ ایسی سند کو مسلم کی شرط پر صحیح کہتے ہیں۔'' اسی طرح مسند امام اُحمد [1] اور جامع ترمذی [2] وغیرہ میں حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَسْلَمَ النَّاسُ وَآمَنَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ»

''کہ لوگ اسلام لائے ہیں جبکہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ایمان لائے ہیں۔''

علامہ البانی رحمہ اللہ نے یہ روایت بھی السلسلة الصحيحة [3] میں ذکر کی ہے اور اس روایت کے فوائد ذکر کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا ہے:

''اس حدیث میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی بڑی منقبت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہی دی ہے کہ وہ مؤمن ہے، اس بشارت کا تقاضا ہے کہ ان کے جنتی ہونے کی گواہی دی جائے کیونکہ مشہور صحیح حدیث میں ہے کہ ''جنت میں مؤمن ہی جائے گا، جسے امام بخاری رحمہ اللہ اور مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے کہ ایمان والوں اور صالح عمل کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے، جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اس لیے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ پر طعن جائز نہیں جیسا کہ بعض معاصر مصنّفین اور دیگر مخالفین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں لڑائی کی بنا پر ان پر طعن کرتے ہیں کیونکہ یہ لڑائی ایمان کے منافی نہیں اور نہ ہی اس کو عصمت وعفت مستلزم ہے۔ بالخصوص جبکہ کہا گیا ہے یہ لڑائیاں اتباع ہویٰ کی بنا پر نہیں بلکہ اجتہاد کی بنا پر لڑی گئی تھیں۔'' [4]

ان کے ایمان کی شہادت کا ہی نتیجہ تھا کہ مرض الموت میں انھوں نے اپنے اللہ سے معافی طلب کی، دیر تک روتے رہے اور عرض کیا کہ الٰہی! آپ کی مغفرت کے بغیر کوئی چارہ نہیں، پھر لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ پڑھتے رہے تا آنکہ روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ [5]

---

① أحمد : 155/4. ② ترمذي : 3844. ③ السلسلة الصحيحة، رقم : 155. ④ السلسلة الصحيحة: 79/1. ⑤ صحيح مسلم: 76/1، السنن 75/3، 76، البداية: 27,26/8 وغيره.

آخری لمحات میں ان کی اسی کیفیت کی بنا پر علامہ ابن الوزیر نے کہا: «وَيُرْجٰى لِعَمْرِونِ التَّوْبَةُ لِقَوْلِهٖ عِنْدَ مَوْتِهٖ كَمَا نُوَضِّحُهٗ» ''کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں توبہ کی امید ہے، موت کے وقت ان کے قول کی بنا پر، جیسا کہ ہم وضاحت کریں گے۔''[1]

یہ بات ہم تو پہلے عرض کر چکے ہیں: کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جنت کا وعدہ اس بات کا متقاضی ہے کہ اگر بشری تقاضے کی بنا پر ان سے کوئی زلات یا خطائیں سرزد ہوئی ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے اسباب مغفرت کی کوئی نہ کوئی سبیل پیدا فرما کر انھیں جنت عطا فرمائیں گے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے معاملات میں خاموش رہنے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں مغفرت کی دعا کرنے کا حکم فرمایا ہے مگر یہ سیدھی سی بات اعدائے صحابہ کو گوارہ نہیں وہ جب تک ان کے خلاف زبان درازی نہیں کر لیتے ان کی تشفی نہیں ہوتی۔ ایسے ہی موقع پر سچ فرمایا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہ:

«مَا تَعْجَبُوْنَ مِنْ هٰذَا؟ اِنْقَطَعَ عَنْهُمُ الْعَمَلُ فَاَحَبَّ اللّٰهُ أَنْ لَّا يَقْطَعَ عَنْهُمُ الْأَجْرُ»

''اس پر تمھیں تعجب کیا ہے، ان کے اعمال منقطع ہو گئے، اللہ نے چاہا کہ ان کا اجر و ثواب منقطع نہ ہو۔''[2]

امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی یہی بات فرمائی ہے:

«مَا أَرٰى أَنَّ النَّاسَ ابْتُلُوْا بِشَتْمِ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَّا لِيَزِيْدَهُمُ اللّٰهُ بِذٰلِكَ ثَوَاباً عِنْدَ اِنْقِطَاعِ عَمَلِهِمْ»

''میرا خیال ہے کہ لوگ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو برا کہنے کے بارے میں آزمائش میں مبتلا ہوئے ہیں تاکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل ختم ہونے کے بعد ان کے نامۂ اعمال

[1] العواصم: 627/1. [2] الجمع الفوائد، ص: 349/2، جامع الاصول، ص: 554/8.

میں اللہ تعالیٰ ثواب کا اضافہ کرتے رہیں۔"[1]

اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت جاگزیں فرمائے اور ان ہی کے نقش قدم پر ایمان وعمل صالح کی توفیق بخشے۔ آمین یا رب العالمین۔

ارشاد الحق اثری
8- ذوالقعدہ 1430ھ
28- اکتوبر 2009

[1] مناقب الشافعی: 1/441، اصول الاعتقاد: 8/1460۔

تفسیر سورۃ ق
ادارۃ العلوم الاثریہ
فیصل آباد
ارشاد الحق اثری
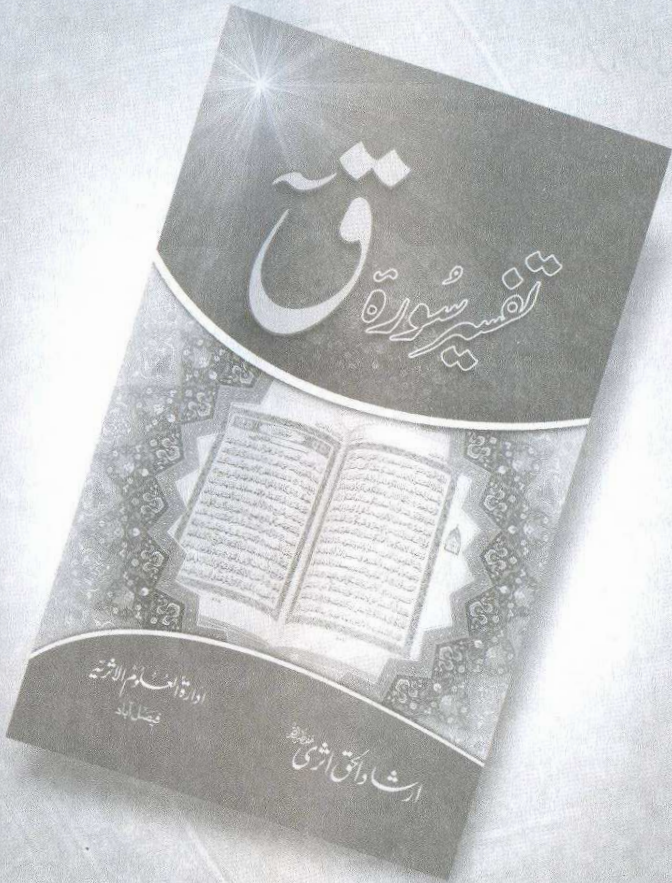
مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم
اور
سلف کا موقف
ارشاد الحق اثری
ادارۃ العلوم الاثریہ

ادارہ کی دیگر مطبوعات